جنوری ۱۹۹۵ء

(1151)
22/11/25

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

سقوط ڈھاکہ کا سانحۂ فاجعہ

اسباب وعوامل پر ایک نظر اور آئندہ کے لیے سبق آموزی کے پہلو

۱۶ دسمبر کو یوم سقوط ڈھاکہ کے جلسے سے امیر تنظیم اسلامی کا فکر انگیز خطاب

یکے از مطبوعات
تنظیم اسلامی

☆ تنظیم اسلامی کیوں قائم ہوئی اور اس کے قیام کی اولین کوشش کب ہوئی؟
☆ اس کی "قرارداد تاسیس" قافلہ جماعت اسلامی سے جدا ہونے والے کن "اکابرین" کے اتفاق رائے سے منظور ہوئی تھی؟
☆ اولین کوشش میں ناکامی کے بعد دوبارہ اس کے قیام کا عزم کس نے کیا اور اس کا باقاعدہ قیام کب عمل میں آیا؟
☆ تنظیم اسلامی کے اساسی نظریات کیا ہیں اور اس کے پیش نظر اہداف و مقاصد کون کون سے ہیں؟
☆ امت مسلمہ کی چودہ سو سالہ تاریخ کے پس منظر میں تنظیم اسلامی کا محل و مقام کیا ہے؟
☆ تنظیم اسلامی کے بانی کا فکری و تحریکی پس منظر کیا ہے؟

ان تمام سوالات کے تفصیلی جواب کیلئے

تنظیم اسلامی کے درج ذیل تین اساسی کتابچوں کا مطالعہ ناگزیر ہے

------(۱)------

سلسلہ اشاعت تنظیم اسلامی نمبر ۱

عزمِ تنظیم

(سابقہ "سرا فگندیم")

عمدہ طباعت، صفحات ۲۷، قیمت -/۷

------(۲)------

سلسلہ اشاعت تنظیم اسلامی نمبر 2

تنظیم اسلامی کا تاریخی پس منظر

صفحات ۴۸، عمدہ طباعت، قیمت -/۶

------(۳)------

سلسلہ اشاعت تنظیم اسلامی نمبر 3

تعارفِ تنظیمِ اسلامی

صفحات ۸۸، قیمت -/۷، عمدہ طباعت

-------- ملنے کے پتے --------

● مرکزی دفتر تنظیم اسلامی، ۶۷- اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو- لاہور

● دفتر تنظیم اسلامی لاہور شہر، ۴- اے، مزنگ روڈ، نزد فیملی ہسپتال

● قرآن اکیڈمی، ۳۶- کے ماڈل ٹاؤن، لاہور

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔

32/16/36

لائبریری
قرآن اکیڈمی کراچی

ماہنامہ میثاق

جلد: ۴۴
شمارہ: ۱
شعبان المعظم ۱۴۱۵ھ
جنوری ۱۹۹۵ء
فی شمارہ ۷/-
سالانہ زرتعاون ۷۰/-

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

ادارۂ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

برائے سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، متحدہ عرب امارات اور بھارت — ۴۵ سعودی ریال یا ۱۲ امریکی ڈالر

یورپ، افریقہ، سکنڈے نیویں ممالک جاپان وغیرہ۔ — ۱۶ امریکی ڈالر

شمالی وجنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ۔ — ۲۰ امریکی ڈالر

ایران، عراق، اومان، مسقط، ترکی، شام، اردن، بنگلہ دیش، مصر۔ — ۹ امریکی ڈالر

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰۔ فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴

سب آفس: ۱۱۔ داؤد منزل، نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی۔ فون: ۲۱۶۵۸۶

پبلشر: ناظم مکتبہ، مرکزی انجمن، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

☆ عرض احوال ——— ۳

حافظ عاکف سعید

☆ تذکرہ و تبصرہ ——— ۵

سقوط ڈھاکہ کا سانحہ فاجعہ

اسباب و عوامل پر ایک نظر اور آئندہ کے لئے سبق آموزی کے پہلو

امیر تنظیم اسلامی کا فکر انگیز خطاب

☆ تفکر و تذکر ——— ۳۹

خلافت الٰہی سے خلافت مسلمین تک

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ الھدیٰ (قسط ۴) ——— ۵۱

فتح و نصرت کا نقطۂ آغاز - صلح حدیبیہ

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ قرآن اور صاحب قرآن ——— ۵۹

پروفیسر ریاض الرحمٰن

☆ خطوط و نکات ——— ۶۷

تحریک جماعت اسلامی کا اصل تسلسل

سلیم احمد خان

☆ پریس ریلیز ——— ۷۳

تنظیم اسلامی کی مرکزی شوریٰ کے اجلاس کے موقع پر جاری کیا گیا اعلامیہ

☆ رفتار کار ——— ۷۵

رپورٹ تنظیم اسلامی، بیرون پاکستان

سراج الحق سید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

32/16/36

عرض احوال

سال ۱۹۹۴ء کا آخری مہینہ کراچی والوں کے لئے بہت بھاری تھا کہ یہ پورا مہینہ کراچی شہر سلگتا ہی نہیں رہا مسلسل دہشت گردی کے بھڑکتے شعلوں کی زد میں رہا۔ تاہم یہ صورت حال صرف کراچی والوں کے لئے ہی نہیں بلکہ تمام دردمند پاکستانی مسلمانوں کے لئے کرب و اذیت کا موجب بنی رہی کہ کراچی والے کوئی غیر نہیں، ہمارے ہی بھائی بند ہیں۔ بلکہ ایک حدیث کی رو سے تو پوری ملت اسلامیہ جسد واحد کی مانند ہے۔ جس طرح جسم کے کسی ایک عضو میں اگر تکلیف ہو تو سارا جسم بے چین رہتا ہے اسی طرح جسد ملت کا کوئی حصہ اگر تکلیف و اذیت میں ہو تو اس تکلیف کی کسک پوری ملت کو پریشان اور بے حال رکھتی ہے۔ کراچی والے تو ہمارے ہم ملت ہی نہیں ہم وطن بھی ہیں۔

اہل کراچی کے دکھ درد میں شریک غم ہونے والوں کی تو اگرچہ کمی نہیں لیکن اس بات کا ادراک بہت کم لوگوں کو حاصل ہے کہ ان کا اصل درد ہے کیا اور اس کا اگر کوئی مداوا ہو سکتا ہے تو کیا؟۔ اس بحث کو ضرورت ایک طرف رکھتے ہوئے کہ ملک خداداد پاکستان میں جو آفات بھی آ رہی ہیں وہ ہمارے اپنے کرتوتوں کا نتیجہ اور عذاب الٰہی کی مختلف صورتیں ہیں، حقیقت یہ ہے کہ کراچی کا معاملہ نہایت نازک اور سنگین شکل اختیار کر چکا ہے۔ یوں تو پورا پاکستان ہی ایک اعتبار سے ابھی تک اپنے تشخص کی تلاش میں ہے لیکن کراچی والوں پر یہ احساس آج کل بہت شدت کے ساتھ غالب ہے کہ "بلھیا" کیہہ جاناں میں کون؟"۔ کراچی میں مسلسل دانستہ یا نادانستہ ایسے حالات پیدا کئے گئے ہیں کہ اہل کراچی کا احساس محرومی بڑھتا جا رہا ہے۔ وہ حیران و پریشان ہیں کہ اپنے ان حقوق کی بازیافت کے لئے جو ان کے خیال کے مطابق بری طرح غصب کئے گئے ہیں، کیا کریں اور کیا نہ کریں!۔۔۔ ان کے ذہنوں میں یہ احساس پل بڑھ رہا ہے کہ خاکم بدہن، اب پاکستان کے ساتھ ان کا مستقبل وابستہ نہیں رہا اور یہ وابستگی اگر کچھ مزید عرصہ برقرار رہی تو ان کا اور ان کی اگلی نسل کا مستقبل بالکل تباہ ہو جائے گا۔

مزید قابل رنج بات یہ ہے کہ ہماری قومی سیاسی قیادت صورت حال کی سنگینی کا احساس کرنے، حقائق کو تسلیم کرنے اور اہل کراچی کے درد کا درماں بننے کی اہلیت سے یکسر محروم نظر آتی ہے۔ قیادت و سیادت اور قوت و طاقت کا نشہ ان کے حقیقت پسندانہ طرز عمل اختیار کرنے کی راہ کی رکاوٹ بنا ہوا ہے اور انہیں کراچی کے مسئلے کے واحد قابل عمل حل کی طرف بڑھنے نہیں دے رہا جس کی نشاندہی ایک "مرد درویش" نے کم و بیش پانچ چھ برس قبل کر دی تھی۔ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا یہ موقف کوئی نیا نہیں کہ کراچی کی مہاجر آبادی افرادی قوت کے اعتبار سے پاکستان میں کسی دوسری لسانی قومیت سے کم اہمیت کی حامل نہیں کہ اس کے معاملے کو نظرانداز کیا جا سکے۔ اس مسئلے کے تمام گوشوں کو بیک وقت سامنے رکھا جائے تو اس کے سوا اور کوئی حل نظر نہیں آتا کہ پاکستان میں صوبوں کی حد بندی از سر نو کی

جائے، چھوٹے صوبے بنائے جائیں اور ان کی تشکیل میں لسانی اور ثقافتی عوامل کو مناسب حد تک ملحوظ رکھا جائے۔

صوبوں کی تقسیم کے جو انتظامی اور عملی فوائد ہیں انہی کو اگر گنا جائے تو ایک طویل فہرست بن سکتی ہے اور یہی سبب ہے کہ ہمارے پڑوسی ممالک بہت پہلے اپنے صوبوں کی نئی حد بندی کرنے اور چھوٹے صوبے بنانے کے مرحلے سے گزر چکے ہیں، لیکن ہمارے موجود الوقت حالات میں تو یہ قدم اٹھانا ایک ناگزیر ضرورت کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ یہ کام بہت پہلے ہو جانا چاہئے تھا لیکن اگر اب بھی ہمارے سیاسی زعماء اور قائدین علاقائی سطح سے بلند ہو کر قومی سطح پر سوچنے کی عادت ڈالیں اور "خرابی بسیار" کے بعد ہی سہی، حقیقت کا ادراک کرتے ہوئے اب بھی یہ کڑوا گھونٹ نگل جائیں تو توقع ہے کہ پاکستان کی سالمیت کا تحفظ ابھی ممکن ہو سکے گا۔ حالات کی سنگینی اور نزاکت کا احساس کرتے ہوئے امیر تنظیم اسلامی نے چند روز قبل کراچی میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے اپنے اس موقف کا اعادہ کیا ہے اور کارپردازان حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ حالات کے رخ کو پہچانیں، مہاجر بھائیوں کے نمائندوں سے مثبت مذاکرات کریں اور اردو بولنے والوں کے لئے بلا تاخیر الگ صوبے کے قیام کا اعلان کریں۔

قبل ازیں ۱۶ دسمبر ۹۴ء کو سقوط مشرقی پاکستان کے حوالے سے تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے جلسے سے خطاب کرتے ہوئے امیر تنظیم اسلامی نے جہاں اس حادثہ فاجعہ کے اسباب و عوامل کا ایک گہرا اور حقیقت پسندانہ تجزیہ پیش کیا وہاں اس خدشے کا اظہار بھی دو ٹوک الفاظ میں کیا کہ کراچی کے حالات بھی بعینہٖ وہی رخ اختیار کر چکے ہیں جو سقوط ڈھاکہ کے وقت مشرقی پاکستان کے تھے۔ اس وقت بھی ہم نے اپنے مشرقی پاکستانی بھائیوں کے احساسات و جذبات کو نظر انداز کرتے ہوئے قوت و طاقت کے استعمال سے مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کی تھی جس کے نتیجے میں بھائی کے ہاتھوں بھائی کی عزت و آبرو اور جان و مال کا جس طرح خون ہوا اس کی یاد آج بھی خون کے آنسو رلاتی ہے۔ اور پھر نہ صرف یہ کہ پاکستان دولخت ہو گیا بلکہ اپنے ازلی دشمن بھارت کے ہاتھوں ہمیں تاریخ کی انتہائی ذلت آمیز شکست کا داغ بھی دیکھنا پڑا۔ (امیر تنظیم اسلامی کی یہ مکمل تقریر زیر نظر شمارے میں شامل ہے۔ اس موقع پر ناظم تحریک خلافت جنرل (ریٹائرڈ) محمد حسین انصاری صاحب نے جو نہایت پر تاثیر اور معلومات افزا تقریر کی تھی وہ ندائے خلافت کے تازہ شمارے میں جس پر ۱۰ جنوری کی تاریخ درج ہے، شائع کر دی گئی ہے، قارئین کے لئے اس کا مطالعہ بھی دلچسپی کا حامل ہو گا)---- اس موقع پر امیر تنظیم نے یاد دلایا کہ سقوط مشرقی پاکستان سے دو سال قبل جولائی ۶۹ء میں انہوں نے مشرقی پاکستان کے حالات کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے ایک مفصل اداریہ ماہنامہ میثاق کے لئے تحریر کیا تھا جس میں اس پیچیدہ صورت حال کا ایک بھرپور تجزیہ پیش کرنے کے بعد جس سے اس وقت ملت پاکستان دوچار تھی، صاف الفاظ میں یہ تجویز پیش کی تھی کہ ہمیں یہ فیصلہ اپنے مشرقی پاکستانی بھائیوں پر چھوڑنا چاہئے کہ وہ ہمارے ساتھ رہنا چاہتے ہیں یا نہیں۔ وہ خود اس کا فیصلہ کریں اور وہ اگر مغربی پاکستان سے علیحدگی چاہتے ہیں تو انہیں بالجبر اپنے ساتھ رکھنے کی کوشش کرنا ہرگز کوئی دانشمندانہ فیصلہ نہ ہو گا۔

(باقی صفحہ ۷۹ پر)

سقوطِ ڈھاکہ کا سانحۂ فاجعہ

اسباب و عوامل پر ایک نظر اور آئندہ کے لیے سبق آموزی کے پہلو

۱۶ر دسمبر کو یومِ سقوطِ ڈھاکہ کے جلسے سے امیر تنظیم اسلامی کا فکر انگیز خطاب!

خطبۂ مسنونہ' ادعیہ ماثورہ اور موضوع سے متعلق قرآنی آیات کی تلاوت کے بعد فرمایا:

معزز حاضرین اور مہمانانِ گرامی! میرا یہ خیال ہے کہ اس بات پر وقت صرف کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ سقوطِ ڈھاکہ یا سقوطِ مشرقی پاکستان پوری دنیا کی تاریخ کے اعتبار سے بھی اہم واقعات میں سے ہے اور اس کی اہمیت اس اعتبار سے بھی بہت زیادہ ہے کہ امتِ مسلمہ کو بیسویں صدی کے نصفِ آخر اور چودھویں صدی ہجری کے ربعِ آخر میں جن دو عظیم ترین صدمات سے دوچار ہونا پڑا' ان میں سے ایک سقوط ڈھاکہ ہے۔ پہلا حادثہ ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ کے نتیجے میں یروشلم پر یہودیوں کے قبضے' مصر' شام اور شرق اردن کی شرمناک شکست اور اسرائیل کی عظیم توسیع کی صورت میں پیش آیا۔ قرآن حکیم کی رُو سے اس امتِ مسلمہ کے دو حصے ہیں' پہلا حصہ "اُمیّین" یعنی عرب مسلمانوں پر اور دوسرا حصہ "آخرین" یعنی غیر عرب مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے یعنی "امیّین" کے لئے عظیم ترین حادثہ ۱۹۶۷ء کی شرمناک شکست ہے' جبکہ "آخرین" میں جو عظیم ترین اسلامی مملکت قائم ہوئی تھی' اس کے لئے عظیم ترین سانحہ سقوطِ ڈھاکہ ہے جو ۱۹۷۱ء میں پیش آیا۔ پھر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ جہاں تک پاکستان کی تاریخ کا تعلق ہے تو اگرچہ اور بھی حوادث ہیں کہ جن سے ہمیں دوچار ہونا پڑا' لیکن سقوطِ ڈھاکہ واقعتاً آج تک سب سے بڑا حادثہ ہے۔

حوادث و مصائب کے بارے میں بنیادی قرآنی اصول

ایسے حوادث کے بارے میں، میں چاہتا ہوں کہ پہلے قرآن کریم، کتاب ہدایت سے کچھ بنیادی اصول سمجھ لئے جائیں۔ اس لئے کہ ہمارا اعتقاد ہے کہ یہ حوادث الل ٹپ نہیں ہوتے۔ اس کائنات میں کوئی شے بھی اذنِ رب کے بغیر حرکت نہیں کرتی، اور اذنِ رب اللہ کی حکمت کے ساتھ ہوتا ہے، یہ سنت اللہ کے تابع ہے۔ ان حوادث کے حوالے سے پہلی بات یہ کہ اللہ تعالیٰ ہرگز ظالم نہیں ہے۔ وہ خود قرآن حکیم میں فرماتا ہے کہ "وَمَا اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ" یعنی "میں اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں"۔ اتنا بڑا حادثہ، اتنی بڑی تباہی اور اتنی شرمناک شکست، بہرحال اللہ کا ظلم نہیں ہے۔ یہ بات قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے پانچ مرتبہ فرمائی ہے: "وَاَنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ" یعنی "اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حق میں ہرگز ظالم نہیں ہے"۔

دوسری بات یہ کہ یہ حوادث تمام تر انسانوں کے اپنے کرتوتوں کا نتیجہ ہیں۔ میں نے سورۃ الشوریٰ کی آیت مبارکہ تلاوت کی ہے: "وَمَا اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ" یعنی "جو بھی مصیبت تم پر آتی ہے تو یہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوتوں کے باعث ہے"۔ اس کے بعد فرمایا کہ "وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ" یعنی "ابھی بہت سی چیزوں سے تو وہ درگزر فرماتا رہتا ہے"۔ اگر پروردگار ساری غلطیوں کی سزا دے تو زمین پر کوئی ایک انسان بھی چلتا ہوا نظر نہ آئے۔ اللہ تو بہت درگزر کرتا ہے۔ بہرحال دوسرا قاعدہ و کلیہ یہ ہے کہ یہ حوادث انسانوں کے اپنے کرتوتوں کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

ان حوادث کے وقوع پذیر ہونے کے حوالے سے تیسری بات بڑی اہم ہے۔ اور وہ یہ کہ کسی بھی قوم پر اتنا بڑا سانحہ اور حادثہ فاجعہ صرف چند لوگوں کے کرتوتوں کے نتیجے میں ظہور پذیر نہیں ہوتا۔ ایسے واقعات اُس وقت وقوع پذیر ہوتے ہیں جب قوم میں اجتماعی طور پر فساد پیدا ہو چکا ہو۔ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ افراد کی برکتیں تو پھیل سکتی ہیں کہ

پوری قوم پر سائبان بن جائیں' جیسا کہ نیکیوں کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کا قاعدہ ہے کہ دس گنا سے سات سو گنا تک بھی اجر دے گا' لیکن گناہ کی سزا بالکل حساب کے مطابق ملتی ہے' زیادہ نہیں ملتی۔ اجر تو اللہ تعالیٰ بغیر حساب کے عطا فرما دیتا ہے۔ اسی طرح افراد کے فسق و فجور اور جرائم پر اللہ تعالیٰ پوری قوم کو اتنی بڑی سزا نہیں دیا کرتے۔ درحقیقت یہ سزا اس وقت ملتی ہے جب قوم کی معتدبہ تعداد میں اجتماعی سطح پر وہ غلطیاں ہو رہی ہوں اور قوم کی ایک عظیم تعداد نے اس ضمن میں اپنا کردار ادا کیا ہو۔ جب جرائم یہ صورت اختیار کر لیتے ہیں تو اتنے بڑے حوادث رونما ہوتے ہیں۔

لیکن جب قوم کے اجتماعی کرتوتوں پر سزا آتی ہے تو پھر چوتھا قانون یہ ہے کہ گیہوں کے ساتھ گھن بھی پستا ہے۔ قرآن حکیم میں آتا ہے کہ "وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً" (الانفال : ۲۵) یعنی "اور بچتے رہو اس فساد سے کہ جو تم میں سے خاص ظالموں ہی پر نہیں پڑے گا"۔ تو اللہ کی پکڑ سے' اس کے عذاب سے اور اس کی سزا سے ڈورا کیونکہ جب اجتماعی فساد ہو جائے تو جو لوگ اس فساد میں ملوث نہیں ہیں وہ بھی مجرم قرار پاتے ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے ظالموں کو روکا کیوں نہیں ہے۔ چنانچہ پھر جب سزا آتی ہے تو وہ لوگ جو چاہے اس گناہ اور جرم میں بالفعل شریک نہیں بھی تھے انہیں بھی سزا مل کر رہتی ہے۔

پانچویں بات یہ کہ جہاں تک اس قسم کے حوادث کی آخری "Stages" کا معاملہ ہے تو اس میں قرآن حکیم کے الفاظ "وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ" یعنی "ان میں سے وہ شخص کہ جس نے سب سے بڑا گناہ کما لیا" کے مصداق کچھ افراد یقیناً نمایاں ہو جاتے ہیں۔ لیکن بہرحال یہ نہ سمجھئے کہ یہ درحقیقت صرف چند افراد کی سازش کا نتیجہ ہے۔ ساتھ ہی یہ بات بھی نوٹ کریں کہ اتنا بڑا حادثہ تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتا کہ ہمارے ترانوے ہزار کڑیل جوان ہندو کے قیدی بنے۔ سابقہ امتِ مسلمہ کی تاریخ میں ۵۸۳ قبل مسیح میں بخت نصر نے یروشلم میں جو تباہی مچائی تھی کہ چھ لاکھ افراد کو قتل کیا اور چھ لاکھ کو قیدی بنا کر لے گیا' یہ واقعہ شاید تاریخ انسانی میں اس اعتبار سے سب سے بڑا ہے کہ لوگوں کو اتنی بڑی تعداد میں قیدی بنا کر ایک ملک سے دوسرے ملک نہیں لے جایا گیا۔ بخت نصر چھ لاکھ افراد کو

بھیڑ بکریوں کی طرح ہانکتا ہوا عراق کے شہر بابل لے گیا تھا۔ لیکن میں نے ہمیشہ تجزیہ کیا ہے کہ ان چھ لاکھ میں ترانوے ہزار یا ایک لاکھ جوان نہیں ہوں گے۔ ان میں بوڑھے بھی تھے' بچے بھی تھے اور عورتیں بھی تھیں' جبکہ ہمارے ترانوے ہزار کڑیل جوان' سپاہی سے لے کر جرنیل تک ہندو کی قید میں گئے ہیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اتنی بڑی شکست کسی فوری سبب کا نتیجہ نہیں ہوا کرتی بلکہ اس کا ایک طویل پس منظر ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ وہ مہلت دیتا ہے۔ جب تک پے بہ پے غلطیاں نہ ہو رہی ہوں اور جرائم نہ کئے جا رہے ہوں اس وقت تک وہ اتنی بڑی سزا نہیں دیتا۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کے عدل' اس کے فضل و کرم اور شانِ غفاری سے بالکل بعید ہے۔

سقوطِ ڈھاکہ کے پس منظر میں
ہماری قومی اور اجتماعی غلطیاں

جو حوادث اُس وقت پیش آئے تھے' جن کو ہماری طب کی اصطلاح میں "Exciting causes" کہا جاتا ہے' ان کا تذکرہ آپ جنرل انصاری صاحب سے سن چکے ہیں۔ حمود الرحمٰن کمیشن کی رپورٹ منظر عام پر نہیں آئی' اس میں بھی اسی قسم کے اسباب ہی کا تذکرہ ہو گا۔ البتہ میں نے جو قرآن مجید سے ان موضوعات سے متعلق اللہ تعالیٰ کی سنتیں آپ کے سامنے رکھی ہیں' جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا" یعنی "تم اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے" ان کے پیش نظر میں ایک ذرا طویل اور گہرا تجزیہ آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ یہ ہماری قومی اور اجتماعی غلطیاں ہیں۔ بڑی پیاری بات کہی ہے انصاری صاحب نے کہ ہمیں اب بھی ہمارے صحافی دھوکہ دیتے ہیں کہ وہاں تو محبت ہی کے زمزمے بہہ رہے تھے' جبکہ درحقیقت وہاں جو نفرت پیدا ہو چکی تھی اور جو اتنا عظیم انقلاب آ چکا تھا' اس کی صحیح خبر یہاں دی ہی نہیں گئی۔ ہمارے یہ صحافی وہاں گئے' چند دعوتیں کھائیں' چند لوگوں سے ملے اور یہاں آ کر محبت کے زمزموں کی داستانیں سنا دیں۔ جبکہ وہاں نفرت اس انتہا کو پہنچ چکی تھی کہ اس

کے بارے میں سن کر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں اور آدمی کا دل لرز جاتا ہے۔ مکمل آٹھ برس میں اتنا بڑا انقلاب آگیا کہ ۴۶ء میں مسلم لیگ وہاں سے ۹۵ فیصد سیٹیں لے رہی ہے جبکہ ۵۴ء کے الیکشن میں اسے تین سو میں سے صرف دس سیٹیں ملی تھیں۔ یہ بات گہرے غور و فکر کی متقاضی ہے کہ یہ انقلاب عظیم کہاں سے آگیا۔ جس شہر میں ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کی تاسیس ہوئی' وہاں نوبت یہاں تک کیسے پہنچ گئی۔ متحدہ بنگال ہندوستان کا کتنا بڑا صوبہ تھا' اور وہاں طویل ترین عرصے تک مسلم لیگ کی منسٹری رہی ہے۔ وہاں کے عوام کیوں اس سطح پر اتر آئے کہ "میں باز آیا محبت سے' اٹھالو پان دان اپنا"۔ اس میں کچھ ہمارے کرتوتوں کا بھی دخل ہے' کچھ جرائم ہمارے بھی ہیں۔ اگر ان کو نہیں سمجھیں گے تو آئندہ بھی تاریخ اپنے آپ کو دہرائے گی۔ اسی لئے میں نے آپ کو آیت سنائی ہے کہ "عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یَّرْحَمَکُمْ' وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا" (بنی اسرائیل : ۸) یعنی "تمہارا رب تو تم پر رحم کرنے کے لئے تیار ہے' لیکن اگر تم نے پھر وہی روش اختیار کی تو ہم بھی پھر وہی کچھ کریں گے"۔ اس لئے کہ یہ اللہ کا قانون ہے۔ اپنے لچھن درست کرو' اپنے اعمال صحیح کرو تو ہم تم پر رحم کریں گے۔ لیکن اگر پھر اعادہ کرو گے' پھر وہی کچھ کرو گے تو ہم بھی وہی کچھ کریں گے جو پہلے کیا۔ وہیں سزائیں ملیں گی' بلکہ اس سے بڑے پیمانے پر ملیں گی۔ اور یہ تو دنیا کی سزا ہے' "وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا" ابھی تو آخرت میں ہم نے ایسے نابنجاروں کے لئے جہنم تیار کر رکھی ہے۔ بہرحال اس وقت کچھ غلطیوں پر گفتگو سننے کے لئے حوصلہ رکھئے۔ اس میں ہماری قیادتِ عظمیٰ پر تنقید بھی آئے گی۔ اس لئے کہ ہماری قیادتِ عظمیٰ کوئی معصومین پر مشتمل نہیں تھی۔ آج جب کہ قیام پاکستان کو پچاس برس ہونے کو آئے ہیں' ہمیں اتنا بالغ نظر ہونا چاہئے کہ ہم ان کی خطاؤں پر بھی نگاہ ڈال سکیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ معصومیت خاتمۂ نبوت ہے۔ ختم نبوت کے ساتھ ہی معصومیت بھی ختم ہو چکی ہے۔

i) قرارداد لاہور میں ترمیم

میری نظر میں حادثہ مشرقی پاکستان کا سب سے پہلا سبب ہماری قیادت عظمیٰ کی وہ غلطی

ہے کہ جس کی بنیاد ۱۹۴۶ء میں ڈالی گئی۔ وہ غلطی یہ تھی کہ ۱۹۴۰ء کی قرارداد لاہور میں ترمیم کرکے "state" کے لفظ کو "states" میں تبدیل کر دیا گیا اور اس طرح مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کو ایک ملک بنانے کا فیصلہ کیا گیا۔ حالانکہ کسی حساب سے بھی یہ دونوں خطے ایک ملک نہیں بن سکتے تھے۔ اس لئے کہ ان دونوں کے درمیان ایک ہزار میل کا فاصلہ تھا۔ پھر درمیان میں اگر سمندر ہوتا تب بھی کوئی حرج نہیں تھا' انڈونیشیا کے جزیروں کے درمیان بھی سمندر موجود ہے' لیکن ہمارا معاملہ یہ تھا کہ درمیان میں دشمن کا علاقہ (Hostile Territory) تھا۔ ہمارا پیدائشی دشمن ملک درمیان میں تھا۔

لیکن اصل مسئلہ یہ ہے کہ اتنی بڑی خطا کیسے ہو گئی؟ حقیقت یہ ہے کہ مسلم لیگ کبھی بھی کوئی منظم جماعت نہیں تھی بلکہ صرف ایک تحریک تھی' اور تحریک میں جذبات کا غلبہ ہوتا ہے' ہوش پر جوش غالب ہوتا ہے۔ کسی بھی عوامی تحریک کے لئے دو چیزیں درکار ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ کوئی عوامی احساس ہونا چاہئے۔ مسلمانانِ ہند میں وہ احساس یہ تھا کہ ہندوستان میں ہندو ہمارے ساتھ انصاف نہیں کرے گا' وہ ہمیں "exploit" کرے گا' ہمارا استحصال کرے گا اور اپنی آٹھ سو برس یا ہزار برس کی غلامی کا انتقام لے گا۔ دوسری چیز عوامی تحریک کے لئے یہ ضروری ہوتی ہے کہ کوئی زبردست لیڈر ہو' جو اس احساس کو سامنے لائے اور اجاگر کرے۔ اس طرح کوئی بھی عوامی تحریک چل جاتی ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ قائداعظم بہت بڑے لیڈر تھے۔ انہوں نے ۳۷ء کے بعد سے مسلم لیگ کا چارج لیا اور اسے تحریک بنا دیا ہے' جبکہ اس سے پہلے کی مسلم لیگ کو آپ سروں' نوابوں اور جاگیرداروں کی بیٹھک کہہ لیجئے' اس سے زیادہ اس کی حقیقت نہیں تھی۔ جب مسلم لیگ کی تحریک اور تحریک پاکستان کے جذبات اپنے عروج پر تھے تو قرارداد لاہور میں متذکرہ بالا ترمیم کی گئی۔ دراصل یہ جذبات بنگال کے مسلمانوں کے تھے۔ بنگال سے مسلم لیگی لیڈر اے کے فضل الحق تھے جنہوں نے قائداعظم کو قرارداد میں ترمیم کرکے ایک ملک بنانے پر مجبور کیا تھا۔ اس زمانے کا قائداعظم کا ایک جملہ ہے کہ :

"The British press has told about some geographical difficulties in the way of Pakistan. May I ask them by what rule of geography are they here."

یعنی برطانوی پریس نے پاکستان کی سکیم کے بارے میں کچھ جغرافیائی مشکلات کا تذکرہ کیا ہے۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ جغرافیے کے کس اصول کے تحت وہ ہندوستان میں ہیں۔ واقعتاً یہ جملہ بڑا پیارا ہے' جواب بڑا مسکت ہے۔ لیکن بہرحال اس سے حقائق تو نہیں بدل جاتے۔ یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ اگر یہ دو ملک معرض وجود میں آتے تو ان دونوں کی ضرورت ہوتی کہ ایک دوسرے سے تعاون کریں۔ اس لئے کہ ہندو کی ذہنیت بدلنے والی نہیں تھی۔ دونوں کو ہندو یا بھارت کی دست برد سے اپنے آپ کو بچانے کے لئے ایک دوسرے کے تعاون کی ضرورت ہوتی۔ اگر علیحدہ علیحدہ ہوتے تو تعاون ہوتا۔ اس کے بالکل برعکس جب یکجا ہو گئے تو شکایتیں سامنے آئیں۔ فرض کیجئے کہ یہ تعاون اگر مزید آگے بڑھتا تو کنفیڈریشن بن سکتی تھی اور یہ کنفیڈریشن ایسی شے ہے جسے آپ جس وقت چاہیں ختم بھی کر سکتے ہیں۔ شاید آپ کو مرحوم Arab United Republic کا قصہ یاد ہو گا۔ یہ مصر اور شام کا کنفیڈریشن ہوا تھا جو کتنی آسانی سے ہوا اور کتنی آسانی سے کھل گیا۔

بہرحال میرے نزدیک ہم سے پہلی غلطی یہ ہوئی کہ ہم نے جغرافیے کی اس درجے نفی کی کہ جغرافیائی حقائق کو بالکل نظرانداز کیا اور یہ بات میں مانتا ہوں کہ انسانی جذبات جغرافیے کو شکست دے دیتے ہیں اور یہ بات تاریخ سے ثابت ہے کہ ایسا ہوا ہے۔ آخر جب یہ دونوں خطے ایک ملک بنے تو جذبات نے جغرافیے کو شکست دی یا نہیں دی؟ انسان اشرف المخلوقات ہے' اس میں اللہ نے بڑی قوتیں رکھی ہیں' اس کے لئے پوری کائنات مسخر کی ہے' اس کے سامنے سارے فرشتوں کو جھکا دیا گیا۔

ii) قیام پاکستان کے بعد اسلام اور نظریۂ پاکستان کی نفی

انسانی جذبہ واقعتاً بہت بڑی شے ہے۔ لیکن جس جذبے نے ہمیں ایک کر دیا وہ جذبہ اسلام کے حوالے سے تھا۔ تحریک پاکستان کی پشت پر نعرہ تھا "پاکستان کا مطلب کیا' لا الٰہ الا اللہ"۔ لیکن ہماری سب سے بڑی اور اصل غلطی یہ ہے کہ ہم نے قیام پاکستان کے بعد اس جذبے کی نفی کر دی' بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہو گا کہ اس کا گلا گھونٹ دیا۔ "اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردۂ تست"۔ ہمارے اس رویئے کے برعکس ہونا یہ چاہئے تھا کہ قیام پاکستان کے بعد

فوری اعلان ہوتا کہ یہ ایک اسلامی ریاست ہوگی اور یہاں نظام خلافت کا قیام ہوگا اور اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ کہا جاتا کہ یہ تو "پان اسلام ازم" کی طرف پہلا قدم ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ گاندھی جی نے بڑے ممیاتے ہوئے قائداعظم سے یہ بات کہی تھی کہ آپ کے پاکستان کا مطلب "پان اسلام" تو نہیں؟ ہندو پان اسلام ازم کے نام سے کانپتا تھا۔ چنانچہ قیام پاکستان کے بعد واضح کر دیا جاتا کہ یہ تو پہلا قدم ہے' عالم اسلام کہاں سے کہاں جائے گا۔ لیکن ہم نے دونوں کی نفی کی۔

مسلم کی لیگ کی قیادت کے حوالے سے عرض کروں گا کہ نیتوں کا حال اللہ جانتا ہے' ہم نہیں جانتے۔ ہو سکتا ہے مسلم لیگ کی قیادت اپنے ذہن میں' اپنے دل میں خالص اسلامی نظریات رکھتی ہو اور اس نے یہ صرف مصلحتِ وقت کا تقاضا سمجھا ہو کہ اس وقت پوری دنیا کو دشمن نہ بنالیا جائے۔ بہرحال چاہے ہم نے مصلحتاً کیا ہے' چاہے ہمارا نظریہ ہی یہ تھا' واللہ اعلم' بہرحال یہ حقیقت ہے کہ ہم نے دنیا کے سامنے پاکستان کو ایک جدید سیکولر مغربی ریاست کی حیثیت سے متعارف کرایا ہے' چنانچہ اس کا پہلا وزیر قانون ایک ہندو اور پہلا وزیر خارجہ ایک قادیانی مقرر کیا گیا۔ ہمارے زوال کے پس منظر میں اصل بات ہی یہ ہے۔ یہ سو غلطیوں کی ایک غلطی ہے۔ آخر لوگ احمق اور کودن تو نہیں ہیں کہ یہ سب کچھ بھول جائیں۔ اگر "پاکستان کا مطلب کیا' لا الٰہ الا اللہ" کے نعرے نے پورے ہندوستان کے مسلمانوں کو متحرک کر دیا تھا اور ان میں ایک آگ بھر دی تھی تو بہرحال ان چیزوں سے اوس بھی پڑی ہے' جذبات ٹھنڈے پڑے ہیں اور جوش و خروش "steam out" ہوا ہے۔ اسلام کی طرف پیش قدمی نہ کر کے گویا ہم نے پاکستان کی پوری تحریک کی نفی کی ہے۔ میں پھر کہہ رہا ہوں کہ نیت کا معاملہ اللہ جانتا ہے' یہ سب کچھ مصلحت کے تحت بھی ہو سکتا ہے' لیکن اس مصلحت کا نتیجہ ہمارے حق میں بڑا خوفناک نکلا ہے۔ قائداعظم کا یہ جملہ کہ :

> "Very soon Muslims will cease to be Muslims and Hindus will cease to be Hindus, not in the religious sense because religion is the priviate affair of the indiuidual, but in the political sense."

پوری تحریک پاکستان کی نفی کر دینے والا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر یہ سیکولرزم نہیں ہے تو سیکولرزم اور کس بلا کا نام ہے؟۔ ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو جا کر کہیں قرارداد مقاصد بڑی ردّو

قدح' بڑے لیت و لعل اور بڑے ہی بادلِ نخواستہ منظور ہوئی۔ لیکن اس سے پہلے جذبات پر بہت سی اوس پڑ چکی تھی' جذبات ٹھنڈے پڑ چکے تھے۔ اور قرار دادِ مقاصد جس طور سے پاس ہوئی ہے وہ بھی لوگوں کو معلوم ہے کہ یہ "اَن کہنی" کہی گئی ہے۔ یہ بات پتہ نہیں آپ کو معلوم ہے یا نہیں کہ یوپی کے کچھ علاقوں میں جہاں مسلم تہذیب کا غلبہ تھا' ہندوؤں میں ایک رسم تھی کہ جب کوئی شخص نزع کی حالت میں بہت دیر تک رہتا اور اس کی جان نہ نکل رہی ہوتی تھی' اس وقت اسے کہا جاتا تھا کہ بھائی "ان کہنی" کہہ دے تاکہ تیری جان نکل جائے۔ تو جب وہ "لاالٰہ الااللہ" کہہ دیتا تھا تو اس کی جان نکل جاتی تھی۔ سو یہ "ان کہنی" ہے جو قرار داد مقاصد کی صورت میں کہی گئی ہے۔

اس کا جو دوسرا بہت بڑا نتیجہ نکلا وہ یہ کہ مغربی جمہوری اصولوں کے مطابق ملکی دستور بنانا ہمارے لئے ناممکن ہو گیا۔ اس لئے کہ مغربی جمہوریت کا اصول تو "one man, one vote" ہے' اور یہ اس کا ایسا اصول ہے جس کی آپ کسی صورت میں خلاف ورزی نہیں کر سکتے۔ آپ کس کو نظر انداز کریں گے اور کس کا حق غصب کریں گے؟ جبکہ ہمارا حال یہاں یہ تھا کہ "for all practical purposes" مغربی پاکستان ہی گویا کہ اصل پاکستان ہے۔ رقبہ دیکھئے' ترقی کے امکانات دیکھئے' ذرائع و وسائل دیکھئے اور عالم اسلام کے ساتھ متصل ہونا دیکھئے۔ گویا اصل پاکستان اور "Primary Pakistan" یہ بنتا ہے۔ اس کے مقابلے میں مشرقی پاکستان تو ایک جزیرہ تھا۔ اس لئے کہ اس کے ایک طرف برما اور دوسری طرف بھارت ہے۔ اس کے علاوہ رقبہ محدود تھا اور آبادی بے انتہا۔ یہاں کی آبادی وہاں کے مقابلے میں بہت کم تھی۔ چنانچہ ۱۲ مارچ ۴۹ء کو جو قرارداد مقاصد پاس ہوئی تو ساتھ ہی ایک "Basic Principles Committee" بنا دی گئی کہ اب اس ملک کے لئے جو دستور ہمیں بنانا ہے اس کے بنیادی اصول کیا ہوں گے۔ اس کی پہلی رپورٹ ڈیڑھ سال بعد ستمبر ۵۰ء میں آئی تھی۔ اس رپورٹ پر دو اعتراضات ہوئے۔ ایک اعتراض یہ تھا کہ اس میں اسلام کا سرے سے ذکر نہیں تھا۔ گویا کہ قرارداد مقاصد کی حیثیت تو ایسی تھی جیسے سنیما کا افتتاح کرنے کے لئے تلاوتِ قرآن کرا لی جائے۔ باقی اصل دستور جو بننا تھا اس میں

اسلام کا سرے سے کوئی تذکرہ ہی نہیں تھا۔ لہٰذا اس کی وجہ سے جذبات پر مزید اوس پڑ گئی۔ گویا یہ واضح طور پر نظر آنے لگا کہ قرارداد مقاصد پاس کر کے بھی ان کی اسلام کی طرف آنے کی نیت نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں دو ایوان تجویز کئے گئے تھے۔ ایوانِ بالا میں ہر صوبے کو مغربی دستوری اصولوں کے مطابق مساوی نمائندگی دی جانی تھی۔ مشرقی پاکستان کے لوگوں نے کہا کہ ہمیں یہ منظور نہیں ہے' اس طرح تم ہمیں اقلیت میں تبدیل کر رہے ہو۔ اس لئے کہ ایوان بالا میں تو پھر ان کا صرف پانچواں حصہ ہوتا' کیونکہ ایوان بالا میں آبادی کا حساب نہیں ہوتا۔ چنانچہ وہ رپورٹ ختم ہو گئی۔ اس کے بعد ۵۲ء میں "B.P.C" کی رپورٹ دوبارہ آئی تو اس میں "پیریٹی" کی گئی۔ یعنی دونوں ایوانوں کے اندر مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے برابر ارکان ہوں گے اور مغربی پاکستان میں پھر صوبوں کی آبادی کے تناسب سے تقسیم ہو جائیں گے۔ مشرقی پاکستان کے لوگوں نے پھر کہا کہ یہ ہماری حق تلفی ہے۔ اب اگر آپ مغربی جمہوریت کے مطابق چلنا چاہتے ہیں تو اس کے اصولوں کو قبول کرنا ہو گا۔ گویا ہمارے گلے میں مغربی جمہوریت کا طوق پڑ گیا۔ اس کا نقصان یہ ہوا کہ ایک طرف تو دین کے حوالے سے سارا جذبہ سرد ہو گیا۔ گویا پوری تحریک کا صغریٰ کبریٰ ختم ہو کر رہ گیا۔ جبکہ دوسری طرف اس طوق کی وجہ سے کوئی دستور ہی نہ بن سکا۔ اس کے علاوہ سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ اگر "one man one vote" کے اصول کو مان لیا جائے تو تراز و مشرقی پاکستان کے ہندو کے ہاتھوں میں جاتی تھی جو ایک کروڑ کی تعداد میں وہاں موجود تھا۔ وہ زیادہ بیدار' زیادہ منظم' زیادہ سرمایہ دار اور زیادہ تعلیم یافتہ تھا۔ وہ تو وہاں سکولوں اور کالجوں میں اسلامیات پڑھاتے تھے' جیسے آج امریکہ میں بڑی یونیورسٹیوں میں اسلامیات پڑھانے والے یہودی ہیں۔

یہ وجوہات تھیں کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی تک اس ملک کا کوئی دستور نہیں بن سکا اور ۲۶ برس تک یہ ملک بے دستور رہا ہے۔ اس خلا سے آخر کوئی نتیجہ تو برآمد ہونا ہی تھا۔ مجھے یاد ہے جب میں یہاں میڈیکل کالج میں پڑھتا تھا اور اسلامی جمعیت طلبہ کا ناظم اعلیٰ تھا' ان دنوں "عزم" کے نام سے ہمارا ایک پندرہ روزہ رسالہ نکلتا تھا' جس کا آخری صفحہ خطوط و آراء کے لئے مختص تھا' جس کا عنوان جلی حروف میں یہ شعر ہوا کرتا تھا کہ۔

اِس سوچ میں کلیاں زرد ہوئیں' اِس فکر میں غنچے سوکھ گئے
آئینِ گلستاں کیا ہو گا' دستورِ بہاراں کیا ہو گا؟

حیرت کی بات ہے کہ ملک کا دستور ہی بننے میں نہیں آ رہا تھا۔ بہرحال ایک بات نوٹ کر لیجئے کہ مغربی پاکستان میں شامل صوبوں سندھ' پنجاب' سرحد اور بلوچستان کے لوگوں کے درمیان فرق و تفاوت اتنا نہیں ہے جتنا مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان کے لوگوں میں تھا۔ وہاں تو سرے سے کوئی قدرِ مشترک سوائے مذہب کے ہے ہی نہیں۔ زبان لے لیجئے' لباس لے لیجئے' خورد و نوش کا معاملہ لے لیجئے' کلچر لے لیجئے' یہاں تک کہ جس شے کا بھی نام لیں وہ ہم سے مختلف ہے۔ یہاں کی عورتوں کا لباس اور وہاں کی عورتوں کے لباس میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پٹھان اور بلوچی عورت تو ایک مسلمان بنگالی عورت کو ویسے ہی برہنہ سمجھے گی۔ وہاں تو اصل رشتہ اسلام کا تھا' لیکن اس کی ہم نے نفی کی۔ چنانچہ ہم دوہرے مخمصے میں پھنس گئے۔ ایک تو یہ کہ اپنے نیچے سے ہم نے زمین اور جڑ بنیاد ہی کھسکا دی' اور دوسرے یہ کہ ہمارے لئے عقدۂ لاینحل یہ بن گیا کہ دستور بنائیں تو کیسے بنائیں؟

iii) قومی زبان کا مسئلہ

تیسری اور بہت بڑی غلطی ہم سے قومی زبان کے تعین کے ضمن میں ہوئی' جو دراصل دوسری غلطی ہی کا تتمہ ہے۔ تحریکِ مسلم لیگ کے دوران تو معاملہ یہ تھا کہ اردو ہی پاکستان کی زبان اور مسلم لیگ کی زبان ٹھہری۔ اقبال نے "بانگِ درا" میں اپنے ظریفانہ کلام میں کہا ہے کہ ۔

اے شیخ و برہمن سنتے ہو' کیا اہلِ بصیرت کہتے ہیں
گردوں نے کتنی بلندی سے ان قوموں کو دے پٹکا ہے
یا باہم پیار کے جلسے تھے' دستورِ محبت قائم تھا
یا بحث میں اردو ہندی ہے' یا قربانی یا جھٹکا ہے

اس لئے کہ سکھ کے ساتھ جھگڑا قربانی اور جھٹکے کا تھا اور ہندو کے ساتھ ہندی اور اردو کا۔ پاکستان بننے کے بعد معلوم ہوا کہ تحریک کے دور کا جذباتی معاملہ اور اس کی فضا اور ہوتی

ہے جبکہ حقائق کچھ اور ہوتے ہیں۔ پاکستان کی سرکاری زبان کیا ہو' یہ بہت اہم مسئلہ تھا۔ اُس وقت اردو کو سرکاری اور قومی زبان کے طور پر ٹھونسنے کی بہت بڑی غلطی کی گئی۔ اس غلطی کی ذمہ دار ہماری ٹاپ کی قیادت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں حالات کا کوئی صحیح اندازہ تھا ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قائداعظم کی عین زندگی کے اندر مشرقی پاکستان میں فساد اور بغاوت ہوئی اور قائداعظم کو شدید علیل ہونے کے باوجود وہاں جانا پڑا۔ لیکن اس سے کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ مشرقی پاکستان میں "بنگلہ بھاشہ" کی تحریک اردو کو زبردستی مسلط کرنے کا ردِ عمل تھا۔ اِس پاکستان میں بھی سندھی زبان کسی صورت میں بھی اردو زبان کی بالادستی گوارا کرنے کو تیار نہیں ہے۔ یہ حقائق ہیں جن سے کبھی بھی آنکھیں چرانا نہیں چاہئیں بلکہ حقائق کا مواجہہ کرنا چاہئے۔ اردو کی بالادستی پشتو مان لے گی' بلوچی مان لے گی' پنجابی تو مانے ہی ہوئے ہے' بلکہ پنجاب کی تو زبان ہی اردو ہے! خاص طور پر یہاں کے مہذب لوگوں کی زبان ہے ہی اردو' لیکن سندھی اس کے لئے کبھی تیار نہیں ہوں گے' اس لئے کہ ان کا دعویٰ ہے اور وہ بہت قوی ہے کہ ہماری زبان قدیم ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اردو تو کل کی چھوکری ہے' اس کی کل تاریخ تین چار سو برس سے زیادہ نہیں ہے' جبکہ سب سے پہلی تفسیر قرآن مجید کی جو غیر عربی میں لکھی گئی وہ سندھی زبان میں لکھی گئی۔

بہرحال اس ملک کے کچھ بہی خواہ' جیسے سر آغا خان اور زاہد حسین مرحوم جو کہ سٹیٹ بینک آف پاکستان کے پہلے گورنر تھے' انہوں نے کہا تھا کہ پاکستان میں عربی زبان کو سرکاری زبان کا درجہ دیا جائے۔ اگر قیام پاکستان کے بعد عربی زبان کی تعلیم لازمی قرار دے دی جاتی تو زیادہ سے زیادہ بیس برس میں عربی زبان پوری طرح سیکھی جا سکتی تھی۔ اس لئے کہ اگر انگریزی ہم نے اتنی سیکھ لی کہ انگریزوں کو پڑھا دیں تو کیا عربی نہیں سیکھ سکتے تھے؟ انگریزی تو بالکل الٹی زبان ہے جو بائیں طرف سے لکھی جانے والی leftist زبان ہے' جبکہ عربی rightist زبان ہے۔ ہماری "ا ب ت" عربی' فارسی سب کی ایک ہے اور اردو کی بھی وہی ہے۔ اس کے علاوہ پنجابی بھی اس میں لکھی جاتی ہے۔ ہمارے لئے عربی سیکھنا اس لئے بھی مشکل نہ تھا کہ یہ ہمارے دین کی' قرآن کی اور رسول ﷺ کی زبان ہے۔ لیکن اس زبان کا رشتہ چونکہ دین سے جڑتا تھا اور ہمارے ہاں دین ہی سے تو فرار ہو رہا تھا' دین کو تو

صرف انفرادی معاملہ بنانا پیش نظر تھا' اسے اجتماعی معاملہ بنانا پیش نظر تھا ہی نہیں' لہٰذا ہمارے اکابرین عربی زبان بطور سرکاری زبان کیسے مان لیتے؟ میں نے چند سال پہلے جب اندرونِ سندھ کا دورہ کیا تھا تو مجھے ایک کتاب دی گئی تھی جو اسی زمانے میں ایک سندھی سکالر کی شائع کردہ تھی کہ عربی کو سرکاری زبان بنایئے' ہم اسے اپنانے کے لئے تیار ہیں۔ بہرحال عربی ہوتی تو اسے پنجابی بھی پڑھتا' اردو والا بھی پڑھتا اور سندھی بھی پڑھتا۔ ان سب کو ایک نئی زبان سیکھنی پڑتی۔ اس طرح یہ معاملہ پیش نہ آتا کہ اردو سپیکنگ کو ایک ترجیح حاصل ہو گئی کہ اسے اس کی مادری زبان میں پڑھایا جا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ تعلیمی میدان میں آگے جائے گا اور اس کی ڈویژن بہتر آئے گی' کیونکہ اسے اس کی مادری زبان میں تعلیم دی جا رہی ہے۔ اس لئے سندھی اَڑ گیا کہ اس طرح میرا بچہ "handicap" رہ جائے گا۔ سب سے پہلے بنگالی اس کے خلاف کھڑا ہو گیا۔ یہ بات آپ کو شاید معلوم نہ ہو کہ ڈھاکہ یونیورسٹی میں مولانا سید سلیمان ندویؒ کے ساتھ صرف اتنی سے بات پر انتہائی توہین آمیز سلوک کیا گیا کہ انہوں نے علمی انداز میں یہ بات کہہ دی تھی کہ دو سو سال قبل بنگلہ زبان بھی اسی طرح ا' ب' ت' میں لکھی جاتی تھی۔ یعنی بنگلہ زبان کا رسم الخط یہی تھا جو عربی' فارسی اور اردو کا ہے' بعد میں جب اس کا رسم الخط بدل دیا گیا تو یہ زبان علیحدہ ہو گئی۔ چنانچہ اِس وقت صورت حال یہ ہے کہ اسے ہم پڑھ ہی نہیں سکتے۔ ورنہ بنگلہ بھاشہ بھی اگر ا' ب' ت' کے حوالے سے لکھی جائے تو ہمارے لئے پچھتر فیصد قابل فہم ہے۔ اس طرح وہ اجنبیت اور دوری ختم ہو جائے۔ لیکن اتنی سی بات کہنے پر انہیں مجبور کیا گیا کہ وہ تحریری طور پر اپنے الفاظ واپس لیں' تب یہاں سے نکلنے دیا جائے گا۔ انہوں نے یہ بات خالص علمی انداز میں کہی تھی۔

iv) مارشل لاء کا نفاذ

اب میں چوتھی بڑی غلطی کی طرف آتا ہوں۔ متذکرہ بالا سب چیزوں کا جو نتیجہ نکلا اس کے لئے انگریزی زبان کا ایک لفظ "disillusionment" کافی ہے۔ یعنی لوگوں کی خوش فہمیاں دور ہونے لگیں اور وہ سوچنے لگے کہ یہ کہاں کا اسلام ہے؟ یہ ملک کس لئے

حاصل کیا گیا تھا اور ہم جا کدھر رہے ہیں؟۔ یہ بات میں بھی مانتا ہوں جو جنرل صاحب نے کہی ہے کہ مجموعی طور پر اوسطاً ایک مغربی پاکستانی کے مقابلے میں ایک مشرقی پاکستانی زیادہ مذہبی ہے۔ آپ کے یہاں جو تبلیغی اجتماع ہوتا ہے اس میں زیادہ سے زیادہ آٹھ لاکھ افراد جمع ہوتے ہیں جبکہ بنگلہ دیش میں پچیس لاکھ کا اجتماع ہوتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ مسلم لیگ نے وہاں جنم لیا اور یہی وجہ تھی کہ متحدہ بنگال میں ایک لمبے عرصے تک خواجہ ناظم الدین وزیر اعلیٰ رہے۔ یہاں آپ کے ہاں تو آخری وقت تک "یونینسٹ" گورنمنٹ رہی ہے، مسلم لیگ کی حکومت یہاں ایک دن کے لئے بھی نہیں بنی۔ سرحد میں آخری وقت تک کانگرس کی حکومت تھی۔ لے دے کے اگر کوئی تھا تو اِس پاکستان میں صرف سندھ تھا جہاں مسلم لیگ کی منسٹری تھی۔ اور اِس وقت صورت حال یہ ہے کہ وہ سندھ بھی اب کہہ رہا ہے کہ "اٹھا لو پان دان اپنا"۔ یہی دو صوبے. تو "پاکستانی اور مسلم لیگی" صوبے تھے۔ یہ "Disillusion" تھا' بقول شاعر ع خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا' جو سنا افسانہ تھا" چنانچہ جذبات پر اوس پڑ گئی۔ ان کے علاوہ باقی چھوٹے چھوٹے فیکٹرز اور بھی بہت سے ہیں۔ مثلاً ہمارے جو C.S.P آفیسرز وہاں جاتے تھے ان کا رویہ اور کردار بالکل نو آبادیاتی نظام کی عکاسی کرتا تھا' جس طرح جنرل صاحب نے تذکرہ کیا۔ الا ماشاء اللہ مخلص قسم کے لوگ بھی تھے' لیکن یہ معدودے چند تھے' اکثر و بیشتر انہیں نفرت کے ساتھ ہی دیکھتے تھے۔ بالکل یہی معاملہ سندھ میں ہوا ہے اور اس کا ردِ عمل بھی اسی طرح ہوا ہے۔

بہرحال اس وقت میں جس چوتھی بڑی غلطی کا ذکر کرنے والا ہوں وہ مارشل لاء کا نفاذ ہے۔ گویا جلتی پر تیل کا کام مارشل لاء نے کیا ہے۔ مارشل لاء کا مطلب فوج کی حکومت ہوتا ہے اور فوج صرف مغربی پاکستان کی تھی' مشرقی پاکستان کا اس میں کوئی حصہ نہیں تھا۔ گویا فوجی حکومت کا مطلب مشرقی پاکستان پر مغربی پاکستان کی حکومت تھا اور مشرقی پاکستانیوں کے نزدیک مغربی پاکستان سے مراد پنجاب تھا۔ چنانچہ وہ کہتے تھے کہ "ہم نے پنجابیوں کا غلام بننے کے لئے پاکستان نہیں بنایا تھا"۔ ان کی یہ دلیل قوی تھی' جسے آج بھی رد نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ ان کے سامنے حقائق تھے' ان کے پاس اعداد و شمار تھے۔ آخر وہاں ایک کروڑ ہندو کی شکل میں دشمن جو بیٹھا ہوا تھا انہوں نے تو سیو تاژ کرنا ہی تھا' لیکن ان کے ہاتھ میں

ہتھیار تو ہم نے دیئے ہیں۔ یہ ہندو وہاں موجود تھا اس کے باوجود پاکستان بنا۔ لیکن جب آپ نے اپنی منزل ہی بدل لی' اپنا قبلہ و کعبہ ہی تبدیل کر دیا' آپ نے اسلام کے بجائے مغرب کی سیکولر جمہوریت کو اپنا اصل الاصول قرار دیا تو پوری تحریک ہی کی نفی ہو گئی۔ اس جلتی پر تیل کا کام فوج کی حکومت نے کیا۔

یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ فوج کی حکومت کیوں آئی۔ آیا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی عذاب تو نہیں تھا؟ یہ اس لئے کہ آئی کہ مسلم لیگ پارٹی تھی ہی نہیں' وہ تو ایک تحریک تھی۔ اور تحریک کا اصول یہی ہوتا ہے کہ ایک دفعہ مقصد حاصل ہو جائے تو پھر ختم ہو جایا کرتی ہے۔ مسلم لیگ کے مقابلے میں کانگرس ایک پارٹی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک بھارت میں اس کی حکومت چل رہی ہے۔ درمیان میں تھوڑا سا عرصہ آیا تھا کہ "جنتا دل" اور کچھ دوسرے گروپوں کی حکومت بنی ورنہ تقسیم ہند کے بعد سے کانگرس ہی کی حکومت رہی ہے۔ کم از کم چالیس برس تک تو اس کی حکومت چلتی رہی۔ اس لئے کہ وہ ایک پارٹی تھی' جس میں cadres تھے' ڈسپلن تھا اور دستور تھا۔ جبکہ مسلم لیگ صرف تحریک تھی۔ درحقیقت اُس وقت کے حالات کا تقاضا ہی کچھ ایسا تھا۔ صورت حال ایسی تھی کہ فرصت تھی ہی نہیں کہ اس کی تنظیم اور استحکام کا معاملہ کیا جاتا۔ لیکن حقیقت کو تو بہرحال ماننا پڑے گا کہ مسلم لیگ ایک پارٹی نہ تھی۔ خود قائداعظم کہتے تھے کہ میری جیب میں کھوٹے سکے ہیں۔ اب اس سے بڑی گواہی اور کس کی درکار ہے۔ لہٰذا پاکستان بن گیا اور مسلم لیگ تحلیل ہو گئی۔ تھوڑا عرصہ سول بیوروکریسی نے عیش کئے' اس کے بعد آرمی نے نظم و نسق سنبھال لیا۔ لیکن اس کے نتیجے میں احساس محرومی شدت سے ابھرا۔ اور پھر جو اعداد و شمار آتے تھے کہ ہماری کل آمدنی کا اتنا بڑا حصہ فوج پر خرچ ہوتا ہے جبکہ فوج ساری مغربی پاکستان کی ہے تو مشرقی پاکستانیوں میں یہ احساس روز بروز شدت اختیار کرتا گیا کہ مغربی پاکستان کی حیثیت ہمارے لئے "Parasite" کی ہے' یہ کھاتے ہیں' کماتے ہم ہیں۔ اس سے جو آگ لگی ہے یہ اس کا نتیجہ ہے کہ "جگتو فرنٹ" نے مسلم لیگ کو وہ عبرت ناک شکست دی کہ ۱۹۵۴ء میں اسے تین سو میں سے صرف دس سیٹیں ملی تھیں۔ آٹھ برس میں اتنا انقلاب عظیم کیسے آگیا! کہاں وہ ۴۶ء کے اعداد و شمار جو آپ ابھی

جنرل صاحب سے سن چکے ہیں اور کہاں دس برس میں اتنی بڑی تبدیلی!!

v) دارالخلافہ کی اسلام آباد منتقلی

اس ضمن میں پانچویں غلطی دارالحکومت کا کراچی سے اسلام آباد منتقل ہونا تھی جس نے گویا آخری کیل ٹھونک دی۔ کراچی ایک cosmopolitan شہر تھا۔ اس کے علاوہ یہ شہر ساحلی تھا' چنانچہ مشرقی پاکستان کے ساتھ اس کے روابط سمندری اور بحری بھی تھے اور وہ سستے تھے۔ ہوائی سفر تو اس وقت بہت گراں تھا اور صرف سرمایہ داروں ہی کے لئے تھا۔ لیکن وہاں سے دارالخلافہ منتقل کیا گیا۔ اُس وقت بھی بڑے مخلص مشرقی پاکستانیوں نے کہہ دیا تھا کہ یہ پاکستان کے خاتمے کا نقطۂ آغاز ہے۔ بہرحال نتیجہ یہ نکلا کہ "میں باز آیا محبت سے' اٹھالو پان دان اپنا!"

vi) حقائق کو تسلیم کرنے کے بجائے طاقت کا بھونڈا استعمال

مذکورہ بالا غلطیوں کے علاوہ ہماری آخری اور ہماری ہمالیہ جیسی غلطی جس نے باقی ساری غلطیوں کے اوپر مہر تصدیق ثبت کر دی وہ ہمارا حقائق کو تسلیم نہ کرنا ہے۔ ۵۴ء ہی میں یہ معلوم ہو چکا تھا کہ مشرقی پاکستان کی فضا بدل چکی ہے۔ لیکن مسئلہ کی اصل حقیقت کو سمجھے بغیر طاقت کا استعمال کرنا ہماری وہ آخری غلطی ہے کہ جس نے سارے معاملے کو اپنے آخری منطقی انجام تک پہنچا دیا۔ اِس وقت اس ضمن میں تین "کاش" آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔ اگرچہ مجھے معلوم ہے کہ یہ لفظ ممنوع ہے۔ حضور ﷺ کی حدیث ہے "اِنَّ کلمۃَ لَو تَفتَحُ عَمَلَ الشَّیطٰن" اس لئے کہ جو ہوا ہے اذنِ رب سے ہوا ہے لہٰذا یہ کہنا کہ کاش ایسا ہو جاتا' مناسب نہیں ہے۔ لیکن انسان اپنے خیالات اور سوچ کو اس انداز میں بیان کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ گویا یہ اس کے خیالات کی تعبیر کا ایک انداز ہے۔ اب میں وہ تین "کاش" بیان کرنا چاہتا ہوں۔

(ا) کاش کہ صدر ایوب صاحب پاکستان کے ڈیگال بن گئے ہوتے۔ فرانس کے صدر ڈیگال نے الجزائر میں ریفرینڈم کرایا۔ ان سے پوچھا کہ بھائی ہمارے ساتھ رہنا چاہتے ہو یا

نہیں؟ اگر نہیں رہنا چاہتے تو جاؤ! وہاں کتنے عرصے تک جنگ ہوتی رہی، کتنے ہی فرانسیسی مارے گئے، دوسری طرف الجزائری بھی اپنی جانیں دے رہے تھے۔ پھر مسلسل جنگ کی وجہ سے فرانس کی ترقی رکی ہوئی تھی، اس لئے کہ اس کے سارے وسائل اس جنگ میں کھپ رہے تھے۔ یہ بات آپ کو یاد ہوگی کہ اُس دور میں تین بڑے قد آور ملٹری لیڈر تھے، فرانس کے صدر ڈیگال، مصر کے صدر ناصر اور پاکستان کے صدر ایوب خان۔ قد آور ہونے میں صدر ایوب بھی ان سے کم نہیں تھے، کاش کہ فہم و فراست کے حوالے سے بھی وہ ڈیگال ثابت ہوتے۔ میں نے جون، جولائی ۱۹۶۹ء کے میثاق میں مضمون لکھا تھا کہ ہم مشرقی پاکستان کے لوگوں کو جبراً اپنے ساتھ ہرگز نہیں رکھ سکتے، اس لئے خدا کے لئے ان سے ریفرینڈم کرائیے کہ وہ پاکستان کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر رہنا چاہتے ہیں تو کن شرائط پر رہنا چاہتے ہیں؟ یہ بات ان سے پوچھ کر طے کیجئے۔ اس کے برعکس اگر جبر کریں گے تو اس کے نہایت خطرناک نتائج نکلیں گے۔ اس لئے کہ دنیا کی کوئی طاقت مشرقی پاکستان کو زبردستی اور جبر کے ساتھ مغربی پاکستان کے ساتھ نہیں رکھ سکتی۔

یہاں یہ بات بھی واضح کرتا جاؤں کہ میں کوئی سیاسی آدمی نہیں ہوں اور میری تو کہیں آمد و رفت کا معاملہ بھی نہیں تھا۔ میں تو ۶۵ء کے بعد سے جب کہ میں دوبارہ لاہور آیا تعلیم و تعلّم قرآن مجید ہی میں مصروف تھا۔ لیکن حالات چونکہ سامنے تھے لہٰذا ان سے صرفِ نظر نہیں کر سکتا تھا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اگرچہ ایک مردِ درویش تھے اور اپنی چھوٹی سی کٹیا میں بیٹھے تصنیف و تالیف کے کام میں مصروف تھے لیکن ہندوستان کے پورے حالات پر ان کی نگاہ تھی۔ انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ ہندوستان میں کوئی مسلمان حاکم یا نواب اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ مرہٹوں کی اٹھتی ہوئی طاقت کا مقابلہ کر سکے۔ لہٰذا شاہ صاحبؒ نے احمد شاہ ابدالی کو خط لکھا کہ خدا کے لئے تم آؤ، ورنہ اس برِعظیم ہند سے اسلام اور مسلمانوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ حقائق کو دیکھنا اور بات ہے اور سیاست کے میدان میں عملاً شریک ہونا ایک دوسری بات ہے۔ بہرحال اگر اُس وقت مشرقی پاکستان میں ریفرینڈم کرا دیا جاتا تو اس بات کا بھی امکان تھا کہ پاکستان کے حق میں فیصلہ ہوتا۔ لیکن آپ نے تو انہیں آپشن دیا ہی نہیں۔ اگر پاکستان کے حق میں فیصلہ نہ بھی ہوتا تو بھی ٹیبل پر بیٹھ کر

معاملہ طے ہو سکتا تھا' خواہ اس کا نتیجہ علیحدگی کی صورت ہی میں نکلتا۔ آپ کو معلوم ہے کہ سب سے مقدس رشتہ میاں اور بیوی کا ہے لیکن اس میں بھی علیحدگی کی اجازت ہے' اگرچہ طلاق کے بارے میں آنحضور ﷺ نے "اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَی اللّٰہ" کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں' یعنی اللہ کے نزدیک یہ حلال چیزوں میں سے ناپسندیدہ ترین ہے۔ اگر علیحدگی کا معاملہ احسن انداز میں ہو جاتا تو وہ ردعمل تو نہ ہوتا کہ انہوں نے "مشرقی پاکستان" کا لیبل اتار کر خلیج بنگال میں پھینک دیا۔ آپ کو معلوم ہے کہ دونوں جرمنی علیحدہ ہوئے لیکن انہوں نے اپنا نام نہیں بدلا' اب بھی مشرقی جرمنی اور مغربی جرمنی موجود ہیں۔ اسی طرح دو کوریا اور دو یمن آج بھی ہیں۔ کوئی بھی اپنا نام چھوڑنے کو تیار نہیں ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ مشرقی پاکستان میں ردِّ عمل اس قدر شدید تھا کہ علیحدگی کے بعد بنگلہ دیش کے پہلے وزیر خارجہ ڈاکٹر کمال حسین نے کہا تھا کہ "We do not like to be called a Muslim country" (یعنی "ہم اپنے آپ کو ایک مسلمان ملک کہلوانا بھی پسند نہیں کرتے۔") آپ نے اسلام کو چھوڑا' انہوں نے کہا کہ ہم مسلم بھی نہیں رہنا چاہتے' آخر ہمیں اسلام کے نام پر جمع کیا تھا' ہمیں احیائے اسلام اور پان اسلام ازم کے خواب دکھائے گئے تھے' لیکن ہمارے ساتھ آپ نے کیا کیا ہے؟۔

(۲) کاش کہ ہمارے ہاں کے نام نہاد جمہوریت نواز اور مغربی جمہوریت کے پرستاروں بشمول مذہبی جماعتوں نے صدر ایوب کو مجبور کر کے اگر تلہ سازش کیس ختم نہ کرایا ہوتا۔ کاش وہ یہ حرکت نہ کرتے۔ لیکن۔

کیا امامانِ سیاست' کیا کلیسا کے شیوخ
سب کو دیوانہ بنا سکتی ہے میری ایک ہُو!

یہ وہی ابلیس کا چکر ہے کہ۔

ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر

اور ابلیس کی اس "ہو" کے زیر اثر ہماری سب مذہبی جماعتیں بھی جمہوریت' جمہوریت کا

شور مچاتی رہیں اور اس شور کے نتیجے میں اگر تلہ سازش کیس ختم کرایا گیا، جس کے نتیجے میں مجیب ہیرو بن کر نکلا۔ کاش کہ ایسا نہ ہوا ہوتا۔

(۳) اب میں تیسرے "کاش" کی طرف آتا ہوں۔ اگرچہ حالات کے خراب ہونے کا ایک طویل پس منظر تھا، لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اس میں شخصیات کا کردار بھی بہت اہمیت کا حامل ہوتا ہے، چنانچہ سانحہ مشرقی پاکستان میں بھٹو اور مجیب الرحمٰن کے کردار کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ وہ تو حمود الرحمٰن کمیشن کی رپورٹ سامنے آئے تو پتہ چلے کہ اس ضمن میں کس کا کیا رول تھا۔ اِس وقت میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کاش یحییٰ خان الیکشن کے اعلان کے ساتھ مغربی پاکستان کا "ون یونٹ" ختم نہ کرتا۔ اس کا مثبت نتیجہ یہ نکل سکتا تھا کہ اگر یہ "ون یونٹ" ہوتا اور مشرقی پاکستان بھی ایک یونٹ تو اس صورت میں اگر شیخ مجیب الرحمٰن کے چھ نکات پر بھی معاملہ طے ہو جاتا تو قطعاً گھاٹے کا سودا نہیں تھا۔ گویا کہ یہ ایک طرح کی کنفیڈریشن ہو جاتی۔ لیکن ان چھ نکات کا اگر یہاں کے صوبوں پر اطلاق کیا جاتا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ یہاں بھی چار ریاستیں وجود میں آتیں۔ اس کے برعکس اگر یہاں "ون یونٹ" برقرار رہتا تو دو ریاستیں بن جاتیں۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے کہ یہ سب "کاش" ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب ہم نے کسی معاملے میں کہیں بھی سمجھ داری کا ثبوت نہیں دیا اور غلطی پر غلطی کرتے چلے گئے تو پھر "شامتِ اعمال ماصورتِ نادر گرفت"۔ اب "صورتِ نادر" میں بھٹو کو شمار کر لیں یا مجیب کو، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سب ہماری شامتِ اعمال ہے۔ یہ بونے سے لوگ بظاہر بہت اہم کردار ادا کرتے نظر آتے ہیں لیکن ان کی اہمیت اصل معاملات کے اندر وہ نہیں ہوتی جو بظاہر نظر آتی ہے۔ ان معاملات کا ایک طویل پس منظر ہوتا ہے۔

سقوطِ ڈھاکہ۔ عذابِ الٰہی کا کوڑا : ہماری بدعہدی کی سزا

یہ باتیں جو میں نے عرض کی ہیں وہ عقلی، منطقی، سیاسی اور دستوری نوعیت کی ہیں۔ اب میں سو باتوں کی ایک بات آپ سے عرض کرتا ہوں کہ قرآن کی تشخیص کی رو سے ہمارے ساتھ کیا ہوا ہے؟ قرآن حکیم کی تشخیص یہ ہے کہ یہ اللہ سے بدعہدی کی سزا ہے جو

ہمیں ملی ہے۔ اور یاد رکھئے کہ یہ سزا کی پہلی قسط تھی' سزا کا دوسرا کوڑا جو پڑنے والا ہے وہ اس سے بھی شدید تر ہو گا۔ اور اگر ہم نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہ کیا اور توبہ نہ کی تو یہ کوڑا ہماری پشت پر لازماً پڑے گا' لامحالہ پڑے گا' ضرور پڑے گا۔ سورۃ التوبہ کی آیات ۷۵ تا ۷۷ میں اللہ تعالیٰ کا یہ قانون بیان ہوا ہے۔ چنانچہ منافقین کے بارے میں فرمایا :

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ○ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ○

یعنی "ان میں سے کچھ لوگ وہ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے ایک عہد کیا تھا کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل سے نواز دے گا (غنی کر دے گا) تو خوب صدقہ خیرات کریں گے اور صالح بن جائیں گے۔ پھر جب اللہ نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا تو انہوں نے بخل کیا اور پیٹھ موڑلی اور اعراض کیا (گویا بھول گئے کہ کیا وعدے کئے تھے) چنانچہ اللہ نے سزا کے طور پر ان کے دلوں میں نفاق پیدا کر دیا' اس لئے کہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا اس کی خلاف ورزی کی اور اس لئے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے"۔

جیسا کہ جنرل صاحب سقوط ڈھاکہ کے چشم دید گواہ ہیں اسی طرح میں تحریک پاکستان کا چشم دید گواہ ہوں۔ میں نے ہائی سکول کے طالب علم کی حیثیت سے مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے کارکن کے طور پر تحریک پاکستان میں کام کیا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ عیدین اور اجتماعاتِ جمعہ میں گڑگڑا کر دعائیں مانگی جاتی تھیں کہ اے اللہ! ہمیں ہندو اور انگریز کی دوہری غلامی سے نجات عطا فرما۔ اگر تو ہمیں ان سے نجات عطا کر دے گا اور ایک آزاد خطۂ زمین ہمیں عطا کر دے گا تو ہم وہاں تیرے دین کا بول بالا کریں گے' وہاں تیرے نبی ﷺ کے دین کا نفاذ کریں گے۔ پورا برعظیم "پاکستان کا مطلب کیا' لا الٰہ الا اللہ" کے نعروں سے گونج اٹھا تھا۔ لیکن جب اللہ نے ہمیں آزادی کی نعمت سے نواز دیا تو ہم نے اللہ سے کئے گئے وعدے کو بھلا دیا' چنانچہ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ "کے مصداق سزا کے طور پر اللہ نے

ہمارے دلوں میں نفاق پیدا کر دیا۔ یہ اللہ کا قانون ہے جو ہم پر صد فیصد لاگو ہوا ہے۔

نفاق کی دو شکلیں ہیں جو بد قسمتی سے آج پاکستانی معاشرے کا شناختی نشان بن چکی ہیں۔ نفاق کی ایک صورت وہ ہے جسے نفاقِ عملی کہتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک قول مبارک کے مطابق منافق کی چار علامتیں ہیں : "اِذَا حَدَّثَ کَذِبَ' وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ' وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ' وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ" حضور ﷺ نے فرمایا کہ چار اوصاف ایسے ہیں کہ جس میں یہ چاروں اوصاف پائے جائیں وہ کٹر منافق ہے' صد فی صد منافق ہے' لیکن اگر ان اوصاف میں سے کوئی وصف پایا جائے تو وہ اسی نسبت سے منافق ہے' جب تک کہ وہ اس سے باز نہیں آتا۔ وہ چار چیزیں یہ ہیں : (۱) جب بات کرے جھوٹ بولے' (۲) وعدہ کر کے تو خلاف ورزی کرے' (۳) امین بنایا جائے تو خیانت کرے' اور (۴) اگر کہیں کوئی جھگڑا ہو جائے تو فوراً آپے سے باہر آ جائے' گالم گلوچ اور مار دھاڑ پر اتر آئے۔ آپ دیکھ لیجئے کہ ہمارے معاشرے میں یہ چاروں چیزیں موجود ہیں۔ آپ کے ہاں جو جتنا بڑا ہے وہ اتنا ہی بڑا جھوٹا ہے' اتنا ہی بڑا خائن ہے' اور اتنا ہی بڑا وعدہ خلاف ہے۔ نفاق کی دوسری صورت کو نفاقِ باہمی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ آج ہماری قوم قومیتوں میں تقسیم ہو گئی ہے۔ فرقہ واریت' طبقاتیت' لسانیت اور صوبائیت نفاقِ باہمی کی مختلف صورتیں ہیں کہ جن سے ہم دوچار ہیں۔

اس نفاقِ باہمی اور نفاقِ عملی سے ایک طرف ہمارے کردار کا دیوالیہ نکل گیا ہے اور دوسری طرف اتحاد و اتفاق ختم ہو گیا ہے۔ لیکن ہم نے اس "عذابِ ادنیٰ" سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا۔ میرا اشارہ سورۃ السجدہ کی آیت ۲۱ کی طرف ہے۔ جنرل صاحب نے اس کی ہم مضمون آیت سورۃ الروم کی آیت ۴۱ کی تلاوت کی ہے' جس کے الفاظ ہیں :

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ○

پاکستانی معاشرے پر یہ آیت صد فی صد چسپاں ہوتی ہے۔ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ بر و بحر کے اندر لوگوں کے ہاتھوں کے کرتوتوں کے سبب فساد رونما ہو چکا ہے تاکہ اللہ انہیں ان کے کچھ کرتوتوں کا مزا چکھائے۔ (گویا یہ سزا بھی ہمارے کچھ کرتوتوں کی ہے' سارے

کرتوتوں کی نہیں ہے' اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ" یعنی بہت سی چیزوں سے تو وہ درگزر بھی کرتا ہے۔) اللہ تعالیٰ یہ سزا اس لئے دیتا ہے کہ شاید لوگ باز آجائیں' ہوش میں آجائیں۔ یہی مضمون سورۃ السجدہ (آیت ۲۱) میں بایں الفاظ آیا ہے :

وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ○

یعنی "ہم انہیں بڑے عذاب سے پہلے چھوٹے عذاب کا مزا چکھائیں گے' شاید کہ یہ لوٹ آئیں۔"

گویا یہ چھوٹا عذاب تھا اس بڑے عذاب کے مقابلے میں جو کہ آنے والا ہے۔ ویسے اپنی جگہ تو یہ بھی عظیم ترین عذاب تھا۔ اس لئے کہ جن ہندوؤں پر آٹھ سو برس تک حکومت کی تھی ان کے قیدی بن کر رہے ہیں۔ ترانوے ہزار افراد کو قیدی بنا کر مدھیہ پردیش سنٹرل انڈیا تک ٹرکوں کے اندر لاد کر بھیڑوں بکریوں کی طرح لے جایا گیا۔ اس موقع پر اندرا گاندھی نے کہا تھا کہ "ہم نے اپنی ہزار سالہ شکست کا انتقام لے لیا ہے"۔ اندازہ کیجئے کہ یہ بات موتی لال نہرو کی پوتی اور جواہر لال نہرو کی بیٹی کہہ رہی ہے۔ ہندوؤں میں کوئی لبرل خاندان ہو سکتا ہے تو چوٹی کا لبرل خاندان یہی ہے۔ لیکن اس کی ذہنیت کا مظہر بھی یہ ہے جو اس جملے میں ہمارے سامنے آتا ہے۔ یہ شکست ہمارے ماتھے پہ کلنک کا ٹیکا ہے' لیکن یہ عذابِ ادنیٰ ہے۔ آپ حیران ہوں گے کہ اتنی بڑی شکست کو میں "عذابِ ادنیٰ" کیوں کہہ رہا ہوں۔ اس لئے کہ غنیمت سمجھئے کہ ابھی یہ پاکستان باقی ہے اور بنگلہ دیش بھی ایک بڑی مسلمان مملکت کے طور پر موجود ہے۔ شاید آپ حضرات نے ان دنوں اخبارات میں یہ خبر پڑھی ہو کہ چٹاگانگ سے دس ہزار افراد نے ڈھاکہ کی طرف مارچ کیا ہے کہ شریعت نافذ کرو۔ گویا اسلام کے معاملے میں ان کے ہاں بھی جذبہ پوری طرح موجود ہے۔ اسی طرح تسلیمہ نسرین کے ساتھ جو کچھ انہوں نے کیا ہے اس سے ان کی مذہبی غیرت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس کو وہاں سے جان بچا کر بھاگنا پڑا ہے۔

اب میں یاد دلانا چاہتا ہوں کہ اصل میں تو یہ دو خطوں پر مشتمل پاکستان اللہ نے ہمیں

بونس میں دیا تھا۔ یہ خالصتاً اللہ کا فضل تھا' ورنہ مصورِ پاکستان نے اس ملک کا ذکر نہیں کیا تھا۔ ان کا ۱۹۳۰ء کا خطبہ جس میں انہوں نے کہا کہ میں محسوس کرتا ہوں کہ یہ تقدیر مبرم ہے کہ ہندوستان کے شمال مغربی علاقے میں ایک مسلمان ریاست قائم ہوگی' اس خطبے میں مشرقی پاکستان کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ یہ تو اللہ نے اُس وقت عطا کیا کہ جب راس کماری سے درۂ خیبر تک "پاکستان کا مطلب کیا' لا الٰہ الا اللہ" کے نعروں سے گونج اٹھا۔ اللہ نے کہا کہ ایک نہیں' دو خطوں پر مشتمل پاکستان لو! تم نے ایک کا خواب دیکھا ہے' یہ دو خطے لو! لہٰذا مصورِ پاکستان کا اصل پاکستان ابھی باقی ہے۔

دوسری بات یہ نوٹ کیجئے کہ اس برِ عظیم ہند میں ابتداءً اصل "پاکستان" جو بنا تھا وہ یہی تھا۔ ۱۲۰۶ء تک کا "پاکستان" یہی تھا۔ ۷۱۲ء میں محمد بن قاسمؒ سندھ کے راستے اس برِ عظیم میں آئے اور اس وقت کے مغربی پاکستان کا جنوبی نصف مملکت اسلامی میں شامل ہو گیا۔ پھر تین سو برس کے بعد محمود غزنوی اور ان کے بعد معزالدین غوری کے ہاتھوں موجودہ مغربی پاکستان یا "What remains of Pakistan" کا شمالی حصہ مشرف باسلام ہوا۔ پھر ۱۲۰۶ء میں کہیں جا کر دہلی پر حکومت قائم ہوئی۔ گویا تاریخ نے آج آپ کو وہاں پہنچایا ہوا ہے۔

پاکستانی قوم کے لئے لمحۂ فکریہ

اصل سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہم نے اس سانحہ سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا۔ ہر شخص اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھے کہ اس کے شب و روز میں کوئی تبدیلی رونما ہوئی ہے؟ اس کی مشغولیتوں اور دلچسپیوں میں سرِ مو کوئی فرق واقع ہوا ہے؟ کسی کی زندگی کا نقشہ بدلا ہو' اس کی ترجیحات بدلی ہوں' کسی نے حرام خوری چھوڑی ہو' کسی نے سودی معاملہ چھوڑا ہو؟ اپنے اوپر قیاس کر لیجئے کہ کوئی سبق حاصل نہیں ہوا۔ حالات بد سے بدتر ہوتے جا رہے ہیں۔ عریانی اور فحاشی ہے تو اُس وقت کے مقابلے میں سو گنا زیادہ ہے' فراڈ اور غبن ہے تو ہزار گنا زیادہ ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ بات بھی نوٹ کر لینی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی اپنی تقویم

ہے۔ اس نے ہمیں ۲۵ برس کی مہلت دی تھی۔ شمسی حساب سے اگرچہ یہ چوبیس برس اور چار مہینے بنے تھے لیکن قمری حساب سے پورے ۲۵ برس ہو گئے تھے کہ جب اللہ کے عذاب کا ایک کوڑا ہماری پیٹھ پر پڑا۔ اب پھر دوسرے پچیس برس پورے ہونے میں صرف ایک سال اور ڈھائی مہینے رہ گئے ہیں۔ اس سال ستائیسویں رمضان کو قیام پاکستان کو ۴۹ برس مکمل ہو جائیں گے' پھر ایک سال رہ جائے گا۔ میں وہ "Sense of urgency" منتقل کرنا چاہتا ہوں کہ دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا اوہ دوسرا کوڑا ہماری پیٹھ پر پڑنے کو ہے۔ اس بات کو کوئی انہونی نہ سمجھنا چاہئے' واقعتاً صورت حال بد سے بدتر ہوتی جا رہی ہے۔ اس صورت حال کو ایک تمثیل سے سمجھا جا سکتا ہے کہ اِس وقت ہمارا حال قومی اعتبار سے ایسے ہے کہ جیسے کسی شخص کو جکڑ دیا گیا ہو اور وہ ہاتھ پاؤں ہلا نہ سکے' لیکن ساتھ ہی وہ اپنی سر کی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو کہ کوئی اژدھا اس کے گرد اپنا گھیرا تنگ کر رہا ہے اور کچھ دیر کی بات ہے کہ وہ ذرا تناؤ پیدا کرے گا اور اس کی ہڈی پسلی ایک کر دے گا۔ یا کوئی شخص اپنی آنکھوں سے دیکھے کہ سیلاب کا پانی چڑھتا آ رہا ہے' ابھی اس کے گھٹنوں تک تھا' اب کمر تک آ گیا ہے' لیکن وہ ہل نہ سکتا ہو۔ ہماری صورت حال بھی اِس وقت بعینہٖ یہی ہے۔ ہم "ورلڈ بنک" اور "آئی ایم ایف" جیسے اداروں کے شکنجوں میں آ چکے ہیں۔ اس وقت یہودیوں کا ذرائع ابلاغ پر تسلط ہے اور ان کا عالمی سطح پر مالیاتی نظام پوری دنیا کو کنٹرول کر رہا ہے۔

آپ سوچئے کہ کیا نواز شریف مسلمان نہیں ہے؟ اس نے مسلمان ماں کا دودھ نہیں پیا ہے؟۔ یہ میاں شریف کا بیٹا ہے جو تہجد گزار ہے۔ یہ خود بھی نمازی ہے۔ لیکن آخر کیا وجہ تھی کہ اسلام کے نام پر دو تہائی اکثریت حاصل کرنے کے باوجود شریعت کی بالادستی کے لئے دستور میں ترمیم نہیں کر سکا' جبکہ نظر آ رہا تھا کہ میرے سارے اتحادی مجھے چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ گویا یہ عالم تھا کہ "میری دنیا لٹ رہی تھی اور میں خاموش تھا"۔ کیا اسے معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ یہ "Slow Poison ing" ہے جس سے میری اپنی سیاسی موت واقع ہو رہی ہے۔ لیکن یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے وہ کچھ نہیں کر سکا۔ اس لئے کہ عالمی قوتوں کا دباؤ ہے' ہم عالمی استعمار کے شکنجے میں جکڑے جا چکے ہیں' نیو ورلڈ آرڈر ہمیں اپنی لپیٹ میں لے چکا

ہے۔ آپ مالیاتی نظام کی مہاجنی جکڑ بندیوں اندر کسے ہوئے ہیں۔ وہاں تو فیڈرل شریعت کورٹ کے فیصلے سے زلزلہ آگیا تھا کہ اس نے "Bank Interest" کو ربا قرار دے کر حرام قرار دے دیا۔ اس کے خلاف رد عمل اتنا شدید ہوا کہ جو امداد پائپ میں چلی آرہی تھی اسے بھی پاؤں رکھ کر روک دیا گیا۔

ایک طرف صورت حال کی سنگینی کا یہ عالم ہے جبکہ دوسری طرف ہماری حالت یہ ہے کہ جیسے کوئی جانور کہیں زخمی حالت میں پڑا ہو تو گدھ اس کے پاس آکر جمع ہو جاتے ہیں کہ ابھی جان نکلے تو اسے نوچیں۔ چنانچہ ایک طرف کشمیر پر امریکہ کا گدھ منڈلا رہا ہے کیونکہ اسے سنٹرل ایشیا میں بھی ایک "اسرائیل" کی ضرورت ہے۔ عالم عرب کے اوپر تو اس نے اسرائیل کو مسلط کر دیا ہے۔ اب تو سارے عرب ممالک قطار باندھے حکم کے انتظار میں سر جھکانے کے لئے بلکہ ہار ڈالنے کے لئے تیار کھڑے ہیں۔ درونِ خانہ تو یہ پہلے ہی ہار ڈال چکے تھے' اِس وقت تو صرف پردے اٹھ رہے ہیں۔ پھر شمالی علاقوں پر اسماعیلی ریاست قائم کر کے پرنس کریم آغا خان کے ذریعے کنٹرول حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ پرنس فلپ نے تو پاکستان کا دورہ ہی اسی لئے کیا تھا' ہمیں نہیں معلوم کہ وہ بے نظیر سے کیا طے کر کے گئے ہیں۔ ادھر بلوچستان کے ساحل پر امریکہ کو قدم جمانے کے لئے علاقہ دیا جا رہا ہے' اس لئے کہ اس نے ایران سے نپٹنا ہے اور آخر خلیج کے دہانے پر بھی بیٹھنا ہے! اسی طرح کراچی کو جناح پور' ہانگ کانگ یا کوئی اور سنگاپور بنانے کے منصوبے بن چکے ہیں۔ یہ وہ گدھ ہیں جو ہمارے آس پاس منڈلا رہے ہیں۔ ان کا یہ اصول ہے کہ یہ دو دو options رکھتے ہیں۔ گویا یہ اپنے تمام انڈے ایک ٹوکری میں رکھنے کے قائل نہیں ہیں۔ انہیں کشمیر میں قدم جمانے کا موقع دیا جائے یا شمالی علاقوں میں' اسی طرح جناح پور بن جائے یا سندھو دیش' یہ چاہتے ہیں کہ کچھ تو ہو جائے۔ اور اگر ان میں سے کچھ بھی نہیں ہوتا تو بلوچستان کے ساحل پر جگہ مل جائے! بہرحال اِس وقت حالات یہ ہیں کہ ؎

آگ ہے' اولادِ ابراہیم ہے' نمرود ہے!
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے؟

اور ؎

الٰہی خیر میرے آشیاں کی
زمیں پر ہیں نگاہیں آسماں کی

ہمارے لئے آسمان امریکہ بہادر ہی تو ہے۔

پس چہ باید کرد ؟

اب آیئے اس گفتگو کے عملی پہلو کی طرف کہ اس وقت جو نیو "ورلڈ آرڈر" کا عفریت ہمارے سامنے کھڑا ہے آخر اس کا علاج کیا ہے۔ بقول اقبال ؏ "علاج اس کا وہی آبِ نشاطِ انگیز ہے ساقی"۔ علاج یہ ہے کہ رجوع کرو اپنی اس اصل کی طرف جس کے لئے پاکستان بنایا تھا۔ افراد بھی توبہ کریں اور اپنی معاش اور معاشرت میں سے غیر اسلامی چیزیں نکال دیں۔ پھر پوری قوم توبہ کرے اور اجتماعی توبہ کے لئے ایک مضبوط جماعت ہو کہ جو منکرات کے خلاف طاقت کے ساتھ جہاد کرے۔ یہ جماعت پاور پالیٹکس کے کسی کھیل میں شریک نہ ہو۔ یہ جماعت پاکستان میں خلافت کے نظام کی داعی ہو اور پورے عالمی سطح پر نظام خلافت کی علمبردار بن کر کھڑی ہو جائے جس میں پہلا مرحلہ پان اسلام ازم کا ہو گا' یعنی پورے عالم اسلام کو متحد کر کے خلافت کے نظام کے تحت کرنا۔ میں آپ کو گاندھی کا جملہ سنا چکا ہوں جو اس نے قائداعظم سے کہا تھا کہ "آپ کے پاکستان کا مطلب پان اسلام تو نہیں ہے؟"۔

i) نظام خلافت کا قیام۔ قرآن و سنت کی غیر مشروط بالادستی

نظامِ خلافت کے خد و خال کے حوالے سے میں کئی کئی گھنٹے کی مفصل تقاریر کر چکا ہوں۔ اِس وقت میں ایک آیت کا حوالہ دے رہا ہوں جس میں جدید اسلامی خلافت کا پورا نقشہ موجود ہے۔ یہ سورۃ النساء کی آیت ۵۹ ہے۔ فرمایا :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ○ دیکھئے جدید ریاست کے تین ستون

شمار ہوتے ہیں۔ پہلا ستون مقننہ (Legislature) ہے۔ اس کے بارے میں فرمایا :
"اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ یعنی کتاب و سنت کی بالادستی۔ دستور میں ایک ترمیم کر دیجئے کہ ہر معاملہ میں شریعت کو مکمل بالادستی حاصل ہوگی' تو اس سے دستوری سطح پر خلافت قائم ہو جائے گی۔ قرار دادِ مقاصد میں یہ بات اصولاً طے ہو چکی ہے' صرف دستور میں ایک ترمیم درکار ہے جو نواز شریف صاحب نہیں کر سکے۔ اس کے لئے تو ایک عوامی جدوجہد کی ضرورت ہوگی۔ یہ کام تب ہوگا جب پوری قوم جانیں دینے کے لئے کھڑی ہو جائے گی۔ اور پوری قوم سے میری مراد لوگوں کی اتنی معتدبہ تعداد ہے جو پوری قوم کے اندر ایک آگ لگا دیں۔ اگر اس طرح کی تحریک برپا کر دی جائے تو کوئی امریکہ کیا امریکہ کا باپ بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ پھر اللہ کی مدد آئے گی' اس لئے کہ قرآن حکیم میں کہا گیا ہے کہ : "اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ "یعنی "اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا" اور ایک دوسرے مقام پر فرمایا کہ "لَیَنْصُرَنَّ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ "یعنی "اللہ لازماً ان کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کریں گے"۔

دوسری چیز جو اس آیتِ مبارکہ میں جدید اسلامی دستور کے لئے رہنمائی فراہم کرتی ہے وہ لفظ "اولی الامر" ہے۔ گویا یہ لفظ انتظامیہ (Executive) کے ادارے کو ظاہر کرتا ہے۔ اسلامی ریاست میں یہ "اولی الامر" مسلمانوں میں سے ہوگا' غیر مسلم نہیں ہو سکتا۔ اس کی حیثیت ذمی یعنی "Protective Minority" کی ہوگی۔ اسلامی ریاست اس کے جان' مال اور عزت کی حفاظت کا ذمہ لے گی۔ لیکن نہ تو مقننہ (Legislature) میں اس کا عمل دخل ہو سکتا ہے' اس لئے کہ وہاں قانون سازی کتاب و سنت کے مطابق ہوگی اور وہ کتاب و سنت کو تسلیم ہی نہیں کرتا' اور نہ ہی انتظامیہ میں وہ کلیدی عہدوں پر فائز ہو سکتا ہے۔ تاہم ٹیکنیکل شعبوں میں اس کی خدمات سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

جدید ریاست کا تیسرا ستون عدلیہ ہوتی ہے۔ اور عدلیہ کا ادارہ ہی دستور کا محافظ ہوتا ہے کہ اگر اختلاف ہو جائے کہ آیا یہ شے شریعت کے مطابق ہے یا نہیں تو وہ اس کا فیصلہ کرے۔ مقننہ ایک قانون پاس کرتی ہے' کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ کتاب و سنت کے منافی ہے تو اب جھگڑا ہو گیا۔ اس جھگڑے کو کیسے طے کرنا ہے؟ اس کا ذکر آیت کے اگلے ٹکڑے میں

ہے۔ فرمایا : "فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِی شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ" یعنی "اگر تم کسی معاملے میں جھگڑنے لگو تو اسے اللہ اور رسولؐ کی طرف لوٹا دو۔ تنازع کے حوالے سے یہاں عدلیہ (Judiciary) کا ذکر آگیا۔ کوئی قانون دستور سے متصادم ہے یا دستور کے مطابق ہے' اس کا فیصلہ عدلیہ کرے گی۔ جدید ریاست انہی تین داروں سے بحث کرتی ہے' جن کو اس ایک آیت سے اخذ کیا جا سکتا ہے۔

اس حوالے سے یہاں میں ذکر کرتا چلوں کہ ضیاء الحق مرحوم نے فیڈرل شریعت کورٹ قائم کر کے صحیح رخ پر قدم اٹھایا تھا' یہ دوسری بات ہے کہ "Half-heartedly" بلکہ "Quarter heartedly" ہی تھا۔ چنانچہ اپنی بنائی ہوئی فیڈرل شریعت کورٹ کو انہوں نے دو ہتھکڑیاں پہنا دیں اور دو بیڑیاں ڈال دیں۔ وہ دو ہتھکڑیاں یہ تھیں کہ دستور بھی شریعت سے بالاتر ہے اور عائلی قوانین بھی۔ اور دو بیڑیاں یہ تھیں کہ مالی قوانین بھی شریعت سے بالاتر ہیں اور عدالتی قوانین بھی۔ اب آپ سوچئے کہ سوائے فراڈ کے باقی رہ کیا گیا۔ ہاں یہ بات ہے کہ کچھ لوگوں کی ان عدالتوں کے حوالے سے تنخواہیں چل رہی ہیں۔ لیکن وہ کچھ کر نہیں سکتے! قوانین کے حوالے سے جو بیڑی یا ہتھکڑی تھی وہ دس سال کے لئے تھی' لہٰذا دس سال پورے ہونے کے بعد کھل گئی ہے۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ وفاقی شرعی عدالت نے مالی قوانین کے خلاف فیصلہ دے دیا۔ لیکن میاں نواز شریف کی حکومت نے سپریم کورٹ میں اپیل دائر کر کے اس فیصلے کو عملاً کالعدم کر دیا۔

ii) وفاقی صدارتی نظام کی ضرورت

دوسری بات یہ کہ اس ملک کے لئے اگر کوئی خیر ہے تو وہ صدارتی نظام میں ہے۔ یہ پارلیمانی نظام انگریز کی وراثت ہے جو اپنی روایت پرستی کے ہاتھوں مجبور ہے۔ انہوں نے تو خواہ بادشاہ ہو یا ملکہ ہر صورت میں اسے اپنے سر پر بٹھانا ہے۔ میں اسے "Human Zoo" (یعنی انسانی چڑیا گھر) سے تعبیر کیا کرتا ہوں۔ لوگ وہاں جاتے ہیں' شاہی عمارات کی سیر کرتے اور شاہی خاندان کے افراد کی زیارت کر کے واپس آجاتے

ہیں۔ گویا یہ ان کا ایک کھیل اور دلچسپی کا سامان ہے۔ لہٰذا انہیں تو پارلیمانی نظام بنانا ہی ہے' ہمارے ہاں یہ ثنویت خواہ مخواہ اختیار کر لی گئی ہے۔ ہمارے دستور کے مطابق ریاست کا سربراہ کوئی اور ہے اور سربراہِ حکومت کوئی اور! اب جو ریاست کا سربراہ ہے وہ یا تو چودھری فضل الٰہی بن کر رہ جائے گا یا غلام اسحاق خان بن جائے گا بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر ضیاء الحق ثابت ہو گا۔ مجھے بتا دیجئے کہ تیسری شکل کون سی ہے؟ یہ انگریز کی وراثت ایک لعنت ہے' اس کا جنازہ جتنی جلدی نکالا جا سکے ہمارے حق میں اتنا ہی بہتر ہے۔ لیکن یہ سب کچھ ثانوی ہے۔ ہماری اولین ترجیح یہ ہے کہ پہلے شریعت کی غیر مشروط بالادستی ملے ہو۔ اگر یہ نہیں تو پھر چاہے صدارتی نظام ہو' چاہے پارلیمانی' سب لعنت ہے۔ شریعت کی بالادستی کے بغیر دونوں شرک اور کفر ہیں۔ ہاں' ملک کے عوام مسلمان ہوا کریں' نظام بہرحال کافرانہ ہے۔

ایک اور چیز جو روح عصر کا ایک تقاضا ہے وہ صحیح معنوں میں وفاقی نظام ہے۔ اور یہ حکمت کا بھی تقاضا ہے۔ یہ فطری بات ہے کہ ہر ایک کو اپنی زبان پسند ہے۔ لیکن میں عرض کر چکا ہوں کہ ہمارے لئے کوئی زبان بھی مقدس نہیں سوائے عربی زبان کے۔ پنجابی کو پنجابی پسند ہو' سندھی کو سندھی پسند ہو تو کوئی حرج نہیں۔ نہ سندھی زبان کفر ہے اور نہ ہی پنجابی زبان کفر ہے۔ وفاق کے اندر جو بھی لسانی اور نسلی اکائیاں ہوں ان کو مناسب مقام دینا چاہئے۔ بھارت سے سبق سیکھئے' اس نے لسانی بنیادوں پر صوبے بنا دیئے تو اس میں کونسی کمی یا کمزوری پیدا ہو گئی؟ وہاں ہر صوبے کی اپنی اپنی زبان ہے اور اپنی زبان میں سارا صوبائی معاملہ چل رہا ہے۔ مرکز کے ساتھ معاملہ ہو گا بین الصوبائی ہو گا تو وہ انگریزی زبان میں ہو گا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ تامل ناڈو میں تامل زبان ہے' آندھرا پردیش میں تلگو اور کیرالہ میں ملیالم دفتری زبان ہے۔ اس کے علاوہ بے شمار زبانیں ہیں جو وہاں چل رہی ہیں اور کوئی بھی ترقی کے راستے میں مانع نہیں ہے۔ آخر اتنی زبانوں سے وہاں کون سی قیامت آ گئی ہے؟ اسی طرح ہمارے ہاں بھی ایک کروڑ افراد کی اگر کوئی لسانی یا نسلی عصبیت ہے تو اسے تسلیم کریں' اس کی نفی نہ کریں۔ اس حوالے سے یہ بات بہرحال ذہن میں رکھنی چاہئے کہ معمولی سے لسانی فرق کی بنیاد پر تقسیم ممکن ہے نہ مناسب۔ اس لئے کہ زبان میں

معمولی سا فرق تو ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں میں ہو جاتا ہے۔ گوجرانوالہ سے سیالکوٹ جا کر زبان بدل جائے گی۔ لیکن جو موٹی موٹی تقسیمیں ہیں ان کے مطابق صوبوں کی تقسیم میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس طرح اگر "ریاستہائے متحدہ پاکستان" وجود میں آجائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ البتہ ایک مضبوط وفاقی نظام ضروری ہے۔ لیکن اس کے ساتھ "states" کو اختیارات بھی دیجئے' انہیں اجازت دیجئے کہ اپنے کلچر کو رواج دیں۔ ہاں یہ طے ہو کہ شریعت کے خلاف کوئی شے نہیں ہونے دیں گے۔ یک جہتی کی ذمہ دار فیڈرل گورنمنٹ ہوگی۔ آج دنیا میں امریکہ کا وفاقی صدارتی نظام کس کامیابی سے چل رہا ہے۔ یہ صدارتی نظام بھی دراصل نظامِ خلافت سے لیا گیا ہے۔ علامہ اقبال نے کہا ہے۔

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو
آں کہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفیٰ ؐ اورا بہاست
یا ہنوز اندر تلاش مصطفیٰ ؐ ست

چنانچہ شیطان کو جمہوریت بھی اسی لئے دینی پڑی ہے کہ خلافتِ راشدہ میں عوام کو ایک حق دیا گیا تھا کہ مسلمانوں کا منتخب خلیفہ ہوگا۔ خلیفہ کے انتخاب میں مسلمانوں کی رائے یعنی امر المسلمین فیصلہ کن ہوگا۔ انسانوں کو یہ حق تاریخ انسانی میں پہلی مرتبہ اسلام نے دیا ہے' تب شیطان کو بھی پیروی کرنی پڑی۔ اب اگر دنیا کی کوئی "achievements" ہیں تو ان کو تسلیم کیجئے۔

iii) نئی صوبائی تقسیم

تیسری بات یہ کہ سندھ کے مسئلے کا اس کے علاوہ کوئی حل نہیں ہے کہ صوبے چھوٹے بنائے جائیں۔ اِس وقت میں سیاستدانوں کے مختلف فیہ بیانات کے حوالے سے بات نہیں کر رہا' اس لئے کہ وہ پینترے بدلتے رہتے ہیں۔ آپ روزانہ اخبارات میں الطاف حسین صاحب کے مختلف بیانات پڑھتے ہوں گے' کبھی وہ کہتے ہیں کہ ہمیں الگ صوبہ چاہئے' کبھی کہتے ہیں نہیں چاہئے۔ یہ تو سیاستدانوں کی حکومت کے ساتھ سودے بازی ہے جس میں

اتار چڑھاؤ آتا رہتا ہے۔ لیکن میں ڈنکے کی چوٹ کہتا ہوں اور بہت عرصے سے کہہ رہا ہوں کہ سندھ کے مسئلے کا کوئی حل نہیں ہے سوائے اس کے کہ چھوٹے صوبے بنائے جائیں۔ ایک کروڑ سے زیادہ مہاجر جو اردو سپیکنگ ہیں ان کی اس حیثیت کو تسلیم کیجئے اور انہیں کوئی تو علاقہ دیجئے کہ وہ کہہ سکیں کہ یہ ہمارا ہے۔ انہوں نے ایک زمانے میں یہ کہا تھا کہ ہمیں یہاں دو چیزیں دے دیجئے۔ ایم کیو ایم کا کہنا تھا کہ کراچی کی کارپوریشن ہمارے حوالے کر دیجئے اور پولیس اور ٹریفک ہمیں دے دیجئے۔ لیکن یہ چیزیں دینے کو بھی کوئی تیار نہیں تھا۔ اگر آپ کسی کو اس کے حق سے محروم کریں گے تو احساس محرومی اس انتہا کو پہنچے گا جہاں اِس وقت پہنچ گیا ہے۔ میں نے آج سے دس سال قبل "استحکامِ پاکستان" نامی کتاب لکھی تھی، جس میں استحکام پاکستان اور اس کے لوازم بیان کئے تھے۔ اس کے کچھ ہی عرصہ بعد اس کتاب کا دوسرا حصہ "استحکامِ پاکستان اور مسئلہ سندھ" لکھی تھی۔ میں سیاست دان ہرگز نہیں ہوں۔ بقول شاعر ع "بازار سے گزرا ہوں خریدار نہیں ہوں!" لیکن حالات کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ یہ بصیرت مجھے اللہ نے عطا کی ہے۔ اور ع "سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف!" یہاں مدینہ و نجف کے بجائے کہہ لیجئے کہ ہماری آنکھ کا سرمہ قرآن و سنت ہے۔ میری دو آنکھیں اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت ہیں۔ بہرحال میں نے اپنی مذکورہ بالا کتاب میں مسئلہ سندھ کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا ہے۔ اِس وقت میں بتانا یہ چاہتا ہوں کہ یہ باتیں میں آج نہیں کہہ رہا بلکہ برسوں سے کہہ رہا ہوں۔

iv) عربی بطور سرکاری زبان

اس ضمن میں آخری بات یہ کہ سرکاری زبان کے بارے میں طے کیجئے کہ یہاں عربی ہوگی اور عملی اقدام کے طور پر فوری طور پر عربی کی تدریس پہلی جماعت سے لازمی کیجئے۔ اور یقین رکھئے کہ بیس برس کے اندر اندر کایا پلٹ جائے گی۔ عربی زبان کی وجہ سے پورے عالمِ عرب کے ساتھ ایک رابطہ قائم ہو جائے گا۔ یہ رابطہ گویا پان اسلام ازم کی طرف ایک اہم قدم ہوگا اور اس سے پان اسلام ازم کی تحریک کو تقویت ملے گی۔ یہ اقدامات کریں گے

تو مسئلہ حل ہو گا ورنہ نہیں!

حرفِ آخر

اور سب سے بڑی بات یہ کہ آج کی نشست کے آغاز میں سورۂ بنی اسرائیل کی جو آیات پڑھی گئی ہیں ان کے آخر میں جو بات فرمائی گئی ہے وہ ہم پر صدفی صد راست آتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ "عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یَّرْحَمَکُمْ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا" یعنی "تمہارا رب اب بھی تم پر رحم فرمانے کے لئے تیار ہے' لیکن اگر تم نے پھر وہی روش اختیار کی تو ہم بھی وہی کچھ کریں گے"۔ یہ تو دنیا کی سزا کا ذکر ہے۔ آیت کے اگلے حصے میں فرمایا کہ "وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا" یعنی "اور ہم نے کافروں کے لئے تو جہنم تیار کر رکھی ہے"۔ اس کے بعد فرمایا: "اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ" یعنی "بیشک یہ قرآن اس راستے کی طرف راہنمائی کرتا ہے جو سب سے سیدھا ہے"۔ اللہ کی رحمت کا دروازہ یہ قرآن ہے۔ اگر سائبان کے نیچے آنا چاہتے ہو تو یہ قرآن کا سائبان موجود ہے۔ گویا رحمتِ خداوندی میں داخل ہونے کا شاہد رہ یہ قرآن ہے۔ بہرحال میں یہ بات تحدیثِ نعمت کے طور پر عرض کر رہا ہوں کہ میں نے اپنی زندگی کے تیس سال اس قرآن حکیم کے پڑھنے پڑھانے اور سیکھنے سکھانے میں لگائے ہیں۔ اس عرصے میں انجمن خدام القرآن قائم کی' قرآن اکیڈمی اور قرآن کالج قائم کیا' قرآن کانفرنسیں اور قرآنی تربیت گاہیں منعقد کیں۔ میں نے یہ سارا کام اس تشخیص کی بنیاد پر کیا ہے کہ اِس وقت امت اس قرآن کو چھوڑنے کی وجہ سے زوال سے دوچار ہے۔ بقول اقبال۔

خوار از مہجوریٔ قرآں شدی
شکوہ سنجِ گردشِ دوراں شدی
اے چو شبنم بر زمیں افتندۂ
در بغل داری کتابِ زندۂ

یہی بات علامہ اقبال نے اپنے ایک اردو شعر میں بہت سادہ انداز میں بیان کی ہے۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

سورۂ بنی اسرائیل کے پہلے رکوع کی آخری آیات میں بہت اہم پیغام دیا جا رہا ہے۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۝ وَاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝

"بیشک یہ قرآن راہنمائی کرتا ہے اس راہ کی طرف جو سب سے سیدھی ہے اور خوشخبری دیتا ہے ایمان والوں کو جو عمل صالح کی روش اختیار کرتے ہیں کہ ان کے لئے بڑا اجر ہے' اور یہ کہ جو آخرت کے منکر ہیں ان کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے"۔

بہرحال یہ کام قرآن ہی کے ذریعے ہو گا۔ قرآن کے ساتھ تعلق استوار کرنے کے لئے بھی پہلی جماعت سے عربی کی تدریس ضروری ہے۔ ہمارے اس اقدام سے قوم بحیثیتِ مجموعی قرآن کے قریب تر ہوتی چلی جائے گی۔ یہ بات میں پورے انشراحِ صدر کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ اس کے سوا اس ملک کے لئے کوئی بچاؤ کی راہ نہیں ہے۔ اقبال کا یہ شعر پاکستان پر بھی صد فیصد صادق آتا ہے کہ۔

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ

اس لئے کہ پاکستان کے استحکام کے لئے اسلام کے سوا اور کوئی بنیاد سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ اگر ادھر نہیں آئیں گے تو اللہ کے عذاب کا دوسرا کوڑا بھی ہماری پیٹھ پر پڑے گا اور "ہماری داستاں تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں"۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس انجامِ بد سے بچائے اور توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔

اقول قولی هذا وَاستغفر اللّٰه لی وَلکم وَلسائر المُسلمین وَالمُسلمات ۝۝

ماہنامہ "میثاق" کی توسیع اشاعت مہم

قارئینِ "میثاق" کی خدمت میں

جیسا کہ آپ کے علم ہے، ماہنامہ میثاق محض ایک روایتی انداز کا دینی و علمی پرچہ نہیں، بلکہ ایک ایسی اسلامی انقلابی دعوت کا علمبردار ہے جس کا مقصد پاکستان میں نظامِ باطل کو مٹا کر دینِ حق کے نفاذ کے لیے راہ ہموار کرنا ہے۔ ہمیں اس مشن میں آپ کا عملی تعاون درکار ہے۔ درج ذیل صورتوں کے علاوہ بھی آپ جس شکل میں تعاون کرنا چاہیں ہم آپ کے عملی تعاون اور پُرخلوص مشوروں کیلئے چشم براہ ہیں

(۱) اگر آپ خود "میثاق" کے سالانہ خریدار نہیں ہیں تو براہِ کرم فوراً سالانہ خریدار بن کر ہمارے ساتھ تعاون کیجئے

(۲) اگر آپ پہلے سے سالانہ خریدار ہیں تو۔۔۔

۱۔ میثاق کی توسیع اشاعت مہم میں عملی حصہ لیتے ہوئے اِس ماہ کے دوران کم از کم پانچ حضرات کو سالانہ خریدار بنائیے۔

۲۔ قریبی بک سٹال، میڈیکل سٹور یا کسی بھی مناسب کاروباری مقام پر ہر ماہ میثاق رکھنے یا رکھوانے کا انتظام کرائیے۔

۳۔ قریبی سکولوں، کالجوں اور دیگر پبلک لائبریریوں کے لیے اپنی طرف سے سالانہ خریداری کی بنیاد پر میثاق پہنچانے کا انتظام کیجئے۔

۴۔ اپنے حلقہ احباب میں سے جن حضرات کے بارے میں آپ کو حسنِ ظن ہو کہ وہ توجہ دلانے پر میثاق کے سالانہ خریدار بن سکتے ہیں، ہمیں ان کے پتے روانہ کیجئے تاکہ ہم انہیں نمونے کے پرچے اس گذارش کے ساتھ مفت ارسال کریں کہ اگر وہ ہمارے مشن سے اتفاق رکھتے ہوں تو ماہنامہ میثاق کی سالانہ خریداری قبول فرمالیں۔

۵۔ میثاق کی توسیع اشاعت مہم کو بہتر طور پر چلانے کے لیے اپنے مفید مشوروں سے نوازیئے۔

شعبہ نشر و اشاعت ماہنامہ میثاق لاہور ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن۔ لاہور ۱۴

خلافتِ الٰہی سے خلافتِ مسلمین تک

ڈاکٹر اسرار احمد

یہ بات اس سے قبل واضح کی جا چکی ہے کہ خلافت اصلاً حاکمیت کی ضد، یعنی اس کے مقابل کی اصطلاح ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں یہ حقیقت بے شمار مواقع پر، منفی اور مثبت دونوں اسلوبوں میں، واشگاف طور پر واضح کر دی گئی ہے کہ ع "سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے!" کے مصداق حاکمیت کا حق صرف اور صرف اللہ کو حاصل ہے اور یہ جامہ صرف اور صرف اسی کو زیب دیتا ہے۔ اس کے سوا جو کوئی اس کا دعویدار بنتا ہے، خواہ وہ "جلالِ پادشاہی" کے مظہر افراد اور اشخاص ہوں جیسے نمرودِ ابراہیمؑ اور فرعونِ موسیٰؑ، خواہ "جمہوری تماشا" کے موہوم اور مفروضہ عوام، وہ درحقیقت خود خدائی کے دعویٰ کا ارتکاب کرتے ہیں!

اب اس سے قبل کہ ہم خلافت کی نسبت سے متعلق اس اہم کنفیوژن کو دور کرنے کی کوشش کریں جو بعض لغوی، اصطلاحی، اور تفسیری مباحث کی بنا پر پیدا ہو گئی ہے، یعنی یہ کہ یہ خلافت اللہ کی ہے، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی، یا مسلمانوں کی، مناسب ہے کہ دو اہم تاریخی حقائق کی جانب توجہ مبذول کرا دی جائے۔

ایک یہ کہ اصولی اعتبار سے ہر وہ شخص جو کسی ایسی ہستی کا قائل ہے جس نے اس کائنات کو پیدا کیا ہے، خواہ وہ اسے کوئی بھی نام دیتا ہو، منطقی طور پر لامحالہ خلافت کا بھی قائل ہے۔ اس لئے کہ عقلِ انسانی اس لازمی منطقی نتیجے سے کسی بھی صورت اعراض یا انکار نہیں کر سکتی کہ جس نے پیدا کیا ہے اسی کا حق ہے کہ حکم دے اور حکومت کرے! چنانچہ اس سادہ لیکن اٹل اور قطعی حقیقت کو قرآن حکیم میں سورۃ الاعراف کی آیت ۵۴ میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا کہ: "اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ" یعنی "آگاہ

ہو جاؤ! اسی کی ہے کُل تخلیق بھی اور اسی کے ہاتھ میں ہے کُل امر بھی!" گویا ہر وہ شخص جو اِس کائنات کے لئے ایک خالق کو تسلیم کرتا ہے لازماً یہ تسلیم کرنے پر بھی مجبور ہے کہ حاکمیت کا حق صرف اسی کو حاصل ہے۔ اس کی ایک نمایاں مثال عیسائیوں کی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ اِس وقت دنیا کی کل آبادی میں سب سے زیادہ تعداد ان ہی کی ہے (کل آبادی کا لگ بھگ ایک تہائی!) اور ان کے یہاں جس "LORD'S PRAYER" کو تقریباً وہی مقام حاصل ہے جو ہم مسلمانوں میں سورۃ الفاتحہ کو حاصل ہے اس کے حسب ذیل الفاظ اسی حاکمیتِ خداوندی کے اقرار اور زمین پر خدا کی حکومت کے قیام کی دعا پر مشتمل ہیں :

"THY KINGDOME COME!
THY WILL BE DONE ON EARTH,
AS IT IS IN HEAVENS!"

یعنی : "اے خدا! تیری حکومت اور سلطنت قائم ہو۔ اور تیرا حکم اور تیری مرضی جیسے آسمانوں میں نافذ ہے زمین پر بھی نافذ ہو!" حاصلِ کلام یہ کہ "حکومتِ الٰہیہ" کا قیام صرف مسلمانوں کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ ان تمام انسانوں کا مشترک مسئلہ ہے جو کسی "خالق" کے قائل ہیں۔ بالخصوص تینوں ابراہیمی مذاہب کے پیروکاروں یعنی یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کے لئے تو اس سے کوئی فرار اور رستگاری ممکن ہی نہیں جو اللہ کے کُل کائنات کے خالق اور پروردگار ہونے ہی کے قائل نہیں اس کے بھی قائل ہیں کہ اس نے انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے نبوت اور رسالت کا سلسلہ جاری فرمایا اور اوامر و نواہی کی صورت میں احکامِ شریعت نازل فرمائے جن کی تعمیل و تنفیذ لازمی و لابدی ہے!

دوسری بات یہ کہ وہ اہم تاریخی حقیقت جسے علامہ اقبال نے اپنے اس شعر میں بیان کیا ہے کہ ؎

"ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی ؐ سے شرارِ بولہبی!"

یعنی یہ کہ اگرچہ یوں تو کارزارِ عالم میں قوموں اور تہذیبوں کے عروج و زوال کے بہت سے مختلف النوع مناظر اور مظاہر بھی دیکھنے میں آتے رہے اور ان کے پس پردہ بہت سے ثانوی عوامل بھی کارفرما رہے لیکن تاریخ انسانی کے دوران اصل تصادم ہدایتِ خداوندی اور اغوائے شیطانی ہی کے مابین رہا ہے' اسے یوں بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ تخلیقِ آدم سے لے کر آج تک دنیا میں اصل کشاکش و آویزش انسانی حاکمیت اور خلافت کے مابین ہی جاری رہی ہے' یعنی جبکہ جملہ شیطانی قوتیں اور ان کے پیروکار انسانی حاکمیت کے مدعی رہے ہیں تمام انبیاء اور ان کے ماننے والے نظامِ خلافت کے داعی اور علمبردار رہے ہیں۔ اور یہ کشاکش آئندہ بھی جاری رہے گی تا آنکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح پیشین گوئیوں کے مطابق بالآخر فیصلہ کُن اور عالمی سطح پر نافذ ہونے والی فتح "خلافت" کو حاصل ہوگی۔ اور پورے کرۂ ارضی پر "خلافت علیٰ منہاجِ النبوت" کا نظام قائم ہو جائے گا!

اور اب آیئے خلافت کی نسبت کی جانب کہ آیا یہ اللہ کی خلافت ہے' یا اللہ کے رسول ﷺ کی' یا مسلمانوں کی؟ تو اگرچہ یہ بات بادیٔ النظر میں عجیب سی محسوس ہو گی کہ یہ تینوں نسبتیں بیک وقت صحیح ہیں' لیکن ایک سادہ سی مثال سے با آسانی سمجھ میں آجائے گی۔ اور وہ مثال "دین" کی ہے اس لئے کہ اس کی بھی یہ تینوں نسبتیں بیک وقت درست ہیں' چنانچہ اسلام "اللہ کا دین" بھی ہے (جیسے کہ سورۃ النصر میں فرمایا: "وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا" یعنی "اور تم نے دیکھ لیا لوگوں کو اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے ہوئے!") اور "دینِ محمد ﷺ" بھی (جیسے کہ ہر جمعہ میں خطیب دعا کرتا ہے کہ: "اَللّٰھُمَّ انْصُرْ مَنْ نَصَرَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ ﷺ" یعنی "اے اللہ! اپنے ہر اُس بندے کی مدد فرما جو محمد ﷺ کے دین کی خدمت کر رہا ہو!" آمین!!)۔ مزید برآں اسلام میرا' آپ کا' اور ہر مسلمان کا دین بھی ہے۔ (چنانچہ سورۃ الکافرون کی آخری آیت میں دین کی یہ

نسبت بیان ہوئی ہے کہ : "لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ "یعنی "تمہارے لئے تمہارا دین ہے' اور میرے لئے میرا دین!")

تاہم "خلافتِ الٰہی" سے "خلافتِ مسلمین" تک کے طویل سفر کے بعض دوسرے اہم فلسفیانہ پہلو بھی ہیں جن کے صحیح فہم پر عہدِ حاضر میں نظامِ خلافت کے بعض معرکۃ الآراء اور مختلف فیہ مسائل کے ضمن میں صحیح رائے تک رسائی کا دارو مدار ہے۔ لہٰذا اس سلسلے میں بعض اہم نکات کی سلسلہ وار وضاحت ضروری ہے :

(۱) حاکمیت کے بالکلیہ اللہ تعالیٰ کے لئے مختص ہو جانے کے بعد جملہ مخلوقات کے لئے واحد راستہ اور لائحہ عمل بے چون و چرا فرمانبرداری' کُلی اور کامل اطاعت اور ہمہ وقت و ہمہ وجوہ عبادت کا ہے' لہٰذا بڑے سے بڑے ستاروں اور سیاروں سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے ذرات تک' اور جمادات و نباتات سے لے کر حیوانات تک جملہ مخلوقات تو' خواہ انہیں اقبال کے الفاظ میں "تقدیر کے پابند" قرار دے لیا جائے' خواہ جبلّت کے اسیر' بہر صورت ان الفاظِ مبارکہ کی مصداقِ کامل ہیں ہی کہ : "لَہٗ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ کَرْھًا "یعنی "اسی کی اطاعت کئے جا رہی ہے ہر چیز خواہ آسمانوں میں ہے خواہ زمین میں' اور خواہ رضامندی سے کر رہی ہے خواہ مجبوراً" (آل عمران : ۸۳) رہ گئیں وہ تین مخلوقات جو خود شعوری کی حامل بھی ہیں اور ذی ارادہ و ذی اختیار بھی' یعنی فرشتے' جنّات اور انسان ---- تو اوّل الذکر کی کیفیت تو اپنی تمام تر جلالتِ شان کے باوجود یہ ہے کہ : "لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَا اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ "یعنی "اللہ کی نافرمانی نہیں کر سکتے خواہ کوئی بھی حکم انہیں دیا جائے اور کرتے ہیں وہی کچھ جس کا انہیں امر ہوتا ہے!" (سورۃ التحریم : ۶) بلکہ یہاں تک کہ ان کے سرخیل جبرئیلؑ کا بھی یہ قول قرآن میں نقل ہوا کہ : "وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّکَ' لَہٗ مَا بَیْنَ اَیْدِیْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَیْنَ ذٰلِکَ "یعنی "(اے نبیؐ) ہم آپ کے رب کے حکم کے بغیر نازل ہو ہی نہیں سکتے۔ اسی کے اختیارِ مطلق میں ہے نہ صرف وہ سب کچھ جو ہمارے سامنے ہے' اور وہ سب

کچھ جو ہمارے پیچھے ہے بلکہ وہ بھی کہ جو اِن دونوں کے مابین ہے (یعنی خود ہمارا پورا وجود!)!" (سورہ مریم : ۶۴) اب رہ گئے صرف جِنّات اور انسان تو ان کے ضمن میں قرآن کی یہ نصِّ قطعی پوری طرح کفایت کرتی ہے کہ : "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ "یعنی "میں نے جِنّوں اور انسانوں کو پیدا ہی اس لئے کیا ہے کہ میری عبادت کریں!" (سورۃ الذاریات : ۵۶)

(۲) متذکرہ بالا جملہ مخلوقات میں سے صرف "حضرتِ انسان" کو اطاعت اور عبادت کے مقام سے اٹھا کر ایک بلند تر مرتبہ یعنی مرتبہ "خلافت" عطا فرمایا گیا۔ چنانچہ بقیہ جملہ مخلوقات اس کے تابع کر دی گئیں 'اور نہ صرف یہ کہ تمام قوائے طبعیہ' جملہ عناصرِ فطرت اور فی الجملہ کُل کائنات اس کے لئے بالقوہ مسخر کر دی گئی' بلکہ "علم الاسماء" کی صورت میں جملہ مخلوقات کا علم بھی اسے بالقوہ عطا فرما دیا گیا (چنانچہ انسان کا کُل حِسیاتی اور تجرباتی علم اور سائنس اور ٹیکنالوجی کی وہ تمام فتوحات جن کے پیش نظر یہ کہنا ہرگز غلط نہیں ہے کہ۔

"عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہِ کامل نہ بن جائے!"

سب اسی کے ظہور اور بروز کی حیثیت رکھتی ہیں!) اور ع "اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب؟" کے مصداق "عروجِ آدمِ خاکی" کی اس سے بڑھ کر کون سی شان ممکن ہو سکتی تھی کہ شہنشاہِ ارض و سما نے اپنی کُل آفاقی سلطنت اور پورے سلسلۂ کون و مکان کے جملہ کارکنانِ قضا و قدر یعنی فرشتوں کی پوری جماعت کو حضرت آدمؑ کے سامنے سجدہ ریز کر دیا! (جس کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اس کا ذکر قرآن میں سات مرتبہ ہوا ہے!) تو کیا اس کے بعد بھی اس امر میں شک اور شبہ کی گنجائش ہے کہ آدمؑ کو عطا کی جانے والی خلافت "خلافتِ الٰہی" تھی! (اس معاملے میں لفظی یا تفسیری اشکالات و خلجان میں مبتلا حضرات کے لئے مناسب ہو گا کہ امام رازیؒ کی تفسیر میں متعلقہ بحث کا مطالعہ کر لیں تاکہ جملہ اشکالات حل ہو جائیں!)

(۳) اس خلافت کے ابو البشر حضرت آدم کو عطا کئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ پوری نوعِ انسانی کو عطا فرمائی گئی تھی اور بالقوہ (POTENTIALLY) یا پیدائشی طور پر ہر انسان "خلیفۃ اللہ" ہے۔ تاہم سیدھی سی بات ہے کہ نسلِ آدم کا جو فرد "خلافت" پر قناعت نہ کرتے ہوئے "حاکمیت" کا مدعی بن جائے وہ تو گویا شہنشاہِ ارض و سما کا "باغی" ہے' اور بڑی سے بڑی اور سخت سے سخت سزا کا مستوجب! تاہم چونکہ اللہ نے اس دنیا کو دار الجزاء نہیں صرف دار الامتحان بنایا ہے' لہٰذا ایسے باغیوں کو اپنی بغاوت کی اصل سزا تو آخرت میں ملے گی' اس دنیا کی حد تک انہیں صرف "خلافت" سے محروم کر دینے پر اکتفا کی گئی ہے۔ گویا اگرچہ بالقوہ اور فی الاصل خلافتِ الٰہی پوری نوع انسانی کو عطا ہوئی تھی لیکن بالفعل اور فی الواقع دنیا میں خلافت کا حق صرف اللہ کے فرمانبردار بندوں یعنی "مسلمانوں" کو حاصل ہے!

(۴) یہ خلافتِ الٰہی اپنی عملی تنفیذ کے اعتبار سے اب سے چودہ سو سال قبل تک' یعنی جب تک نبوّت کا سلسلہ جاری تھا "شخصی" رہی یعنی ہر زمانے کا نبی ہی اپنی ذاتی حیثیت میں "خلیفۃ اللہ" ہوتا تھا۔ اس لئے کہ حاکمِ حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام و فرامین ذاتی طور پر اسی کو بذریعہ وحی پہنچتے تھے' چنانچہ وہی ان کی تنفیذ کا فریضہ سرانجام دیتا تھا۔ مزید برآں' اس سے کچھ ہی عرصہ قبل تک نوعِ انسانی کا عمرانی شعور بھی ابھی عہدِ طفولیت میں تھا اور شخصی قیادت و سیادت سے آگے بڑھ کر امامت و حکومت کے کسی اجتماعی یا عوامی تصور کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں بھی حضرت داؤد علیہ السلام کو واحد کے صیغہ میں خطاب کر کے فرمایا گیا کہ : "یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ "یعنی "اے داؤد! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے' پس لوگوں کے مابین حق کے مطابق حکم کرو!" (سورہ ص : ۲۶) اور صحیح بخاریؒ کی ایک حدیث میں بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں کہ : "کَانَتْ بَنُوْاِسْرَائِیْلَ تَسُوْسُھُمُ الْاَنْبِیَاءُ' کُلَّمَا ھَلَکَ نَبِیٌّ خَلَفَہٗ نَبِیٌّ" یعنی "بنی اسرائیل کی سیاست انبیاء کرتے تھے' جیسے ہی کسی نبی کا

انتقال ہوتا تھا اس کا خلیفہ بھی نبی ہی ہوتا تھا!" (بخاریؒ و مسلمؒ عن ابی ہریرہؓ) یعنی جیسے حضرت داؤدؑ اللہ کے نبی بھی تھے اور عرفِ عام میں "بادشاہ" لیکن حقیقت کے اعتبار سے "خلیفۃ اللہ" بھی' اسی طرح ان کے بیٹے حضرت سلیمانؑ بھی ان دونوں حیثیتوں کے حامل تھے۔ علیٰ ہذا القیاس جب تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس دنیا میں تشریف فرما رہے آپؐ اللہ کے نبی اور رسول بھی تھے اور "خلیفۃ اللہ" ہونے کی حیثیت میں اسلامی حکومت کے سربراہ بھی۔ چنانچہ سورۃ المائدہ کی آیت ۴۸ میں سورہ ص کی آیت ۲۶ ہی کے مانند آپ ﷺ سے بھی فرمایا گیا: "فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ" یعنی "پس آپ ان کے مابین اللہ کے اتارے ہوئے (احکام) کے مطابق حکم کریں!"

(۵) البتہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال پر جیسے ہی نبوت کا سلسلہ ختم ہوا "شخصی خلافت" کا دور بھی ہمیشہ کے لئے اختتام کو پہنچ گیا اور اجتماعی خلافت کے دور کا آغاز ہو گیا۔ چنانچہ اب خلافت اُمّتِ مسلمہ کو اجتماعی طور پر منتقل ہو کر "اَمر المسلمین" یعنی "مسلمانوں کا معاملہ" قرار پائی جس کے ضمن میں قرآن کا وہ اٹل اصول جو سورۃ الشوریٰ کی آیت ۳۸ میں وارد ہوا ہے نافذ العمل رہے گا' یعنی "اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ" (ترجمہ: "مسلمانوں کا معاملہ باہمی مشورے سے طے پاتا ہے!")

چنانچہ یہ اسی کا مظہر ہے کہ قرآن حکیم میں مسلمانوں کو جمع کے صیغہ میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا

"(اے مسلمانو!) تم میں سے جو لوگ ایمان اور عمل صالح کا حق ادا کر دیں گے ان سے اللہ کا پختہ وعدہ ہے کہ وہ انہیں اسی طرح زمین میں خلافت عطا فرمائے گا جس طرح ان سے قبل کے لوگوں کو عطا کی تھی اور ان کے اس دین کو قوت اور غلبہ عطا

فرمائے گا جو اس نے ان کے لئے پسند فرمالیا ہے۔ اور ان کی (موجودہ) خوف کی حالت کو امن اور اطمینان کی کیفیت سے بدل دے گا۔" (سورۃ النور : ۵۵)

اسی طرح اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیصلہ بھی کہ آپؐ کسی کو خلیفہ نامزد کئے بغیر دنیا سے رخصت ہو گئے' اسی لئے تھا کہ خلافت کے ضمن میں یہ حقیقت بالکل مبرہن ہو جائے کہ یہ بالکلیہ "امر المسلمین" ہے۔ حالانکہ اُس وقت کے قبائلی معاشرے میں شدید اندیشہ تھا کہ اس کی بنا پر اختلاف و انتشار' اور فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھے اور واقعہ یہ ہے کہ یہ ایک معجزہ ہے سے ہرگز کم نہیں ہے کہ خلافت ایسا حساس اور نازک مسئلہ اختلاف اور نزاع کے پیدا ہونے کے باوجود بہت جلد اور نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ حل ہو گیا۔ بہرحال اس سے یہ بات ہمیشہ کے لئے ناقابلِ تردید طور پر طے ہو گئی کہ اب خلیفہ کا نصب نہ کسی ماموریت من اللہ کی بنیاد پر ہو گا (اس لئے کہ نبیؐ کا فیصلہ تو لامحالہ "من جانب اللہ" قرار پاتا) نہ کسی نسلی یا خاندانی بنیاد پر' بلکہ مسلمانوں کے باہمی مشورے اور انتخاب کے ذریعے ہو گا!

(۶) اس معاملے میں صرف اس بات سے کسی مغالطے میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو "خَلِیفَۃُ رَسُولِ اللّٰہ" قرار دیا۔ اور علیٰ ہذا القیاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے لئے "خَلِیفَۃُ خَلِیفَۃِ رَسُولِ اللّٰہ" یعنی "اللہ کے رسولؐ کے خلیفہ کا خلیفہ" کے الفاظ پسند فرمائے۔ اس لئے کہ اس سے صرف اس واقعاتی حقیقت کی جانب اشارہ مقصود تھا کہ نبی اکرم ﷺ کی دو حیثیتوں میں سے ایک یعنی نبوت کا سلسلہ تو ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا البتہ آپؐ کی دوسری حیثیت جس کا تعلق "خلافت" سے تھا اور جو بالفعل اسلامی حکومت کی سربراہی سے عبارت تھی' اس کا تسلسل جاری ہے اور اس کے اعتبار سے حضرت ابوبکرؓ آپؐ کے' اور حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ کے "جانشین" ہیں۔ بالکل ایسے جیسے لگ بھگ سولہ سو سال قبل حضرت داؤدؑ کے فرزند حضرت سلیمانؑ حضرت داؤدؑ کے "جانشین" تھے۔ لیکن جیسے یہ بات اس متفق علیہ حدیث کی رو سے بالکل واضح ہے جس کا حوالہ پہلے آچکا

ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی "خلافت" کی بنیاد "نبوت" تھی نہ کہ صرف حضرت داؤد کی فرزندی' اسی طرح حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی "خلافت" کی بنیاد مسلمانوں کا مشورہ اور اجماع تھا نہ کہ نبوت یا کسی اور نوع کی "ماموریت من اللہ!" اور اس اعتبار سے اگر یہ کہا جائے کہ ان کی اصل حیثیت "خلیفۃ المسلمین" کی تھی تو اس میں ہرگز کوئی غلطی نہیں ہوگی!

(۷) ختمِ نبوت کے بعد خلافت کے "امر المسلمین" قرار پانے کے معاملے کو حضرت عمرؓ نے اپنے ایک خطبے میں بالکل ہی واشگاف اور مبرہن کر دیا ہے۔ چنانچہ یہ واقعہ مسند احمد ابن حنبلؒ اور صحیح بخاریؒ دونوں میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے کہ اپنی حیاتِ دنیوی کے آخری سال میں حضرت عمرؓ حج کے موقعہ پر مکہ مکرمہ میں تھے کہ حضرت عبد الرحمٰن ابن عوفؓ نے انہیں بتایا کہ لوگوں میں کچھ ایسی چہ میگوئیاں سننے میں آرہی ہیں کہ جیسے ہی حضرت عمرؓ کی آنکھ بند ہوئی (یعنی آپؓ کا انتقال ہو گیا) ہم فورا فلاں شخص کے ہاتھ پر بیعت کر لیں گے اور کسی مشورے یا متبادل تجویز کی نوبت ہی نہیں آنے دیں گے۔ اس پر حضرت عمرؓ بہت مضطرب ہوئے اور آپؓ نے فرمایا کہ لوگوں کو فورا جمع ہونے کے لئے کہا جائے "تاکہ میں مسلمانوں کو ان لوگوں کی شرارت سے خبردار کر دوں جو امر المسلمین کو غصب کرنا چاہتے ہیں!" یعنی مسلمانوں کے اس حق پر غاصبانہ قبضہ کرنا چاہتے ہیں کہ خلیفہ کی تقرری ان کے مشورے سے ہو! اس پر حضرت عبد الرحمٰنؓ نے مشورہ دیا کہ اس مقصد کے لئے یہ موقع مناسب نہیں ہے' بہتر ہے کہ آپ یہ کام مدینہ منورہ واپسی پر کریں۔ حضرت عمرؓ نے یہ مشورہ قبول فرمالیا۔ لیکن پھر مدینہ واپسی پر پہلی فرصت میں ایک اجتماعِ عام منعقد کیا جس میں مفصل خطبہ ارشاد فرمایا جس میں خلافت کے نصب کے لئے مسلمانوں کے باہمی مشورے کے لزوم پر زور دیا۔ اور آخر میں یہ دوٹوک بات بھی کہہ دی کہ مسلمانوں کے مشورے کے بغیر کسی بیعت کی کوئی حیثیت نہیں ہے! گویا وہ کالعدم (NULL AND VOID) شمار ہوگی!

(۸) اس ضمن میں آخری لیکن اہم ترین بات یہ کہ ادھر تو "چراغ مصطفویؐ" یا سلسلۂ ہدایتِ خداوندی میں یہ ارتقائی چھلانگ اب سے چودہ سو برس قبل لگ گئی تھی کہ "خلافت" شخصی اور خاندانی دائروں سے نکل کر اجتماعی' عوامی اور جمہوری دائرے میں داخل ہو گئی۔ ادھر ظاہر ہے کہ "شرارِ بولہبی" یعنی ابلیسی اور شیطانی قوتیں بھی ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھی رہیں بلکہ "تو ڈال ڈال میں پات پات" کے سے انداز میں حق کا پیچھا کرتی رہیں۔ لہٰذا انہوں نے بھی اب سے دو ڈھائی سو برس قبل "حاکمیتِ انسانی" کے خالص مشرکانہ اور کافرانہ تصور کے جسم سے شخصی اور خاندانی بادشاہت کا لبادہ اتروا کر اسے عوامی اور "جمہوری لباس" زیب تن کروا دیا بقول ابلیس بروایت اقبال۔

تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن' اندروں چنگیز سے تاریک تر
ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر

اور واضح رہے کہ علامہ اقبال کے مندرجہ ذیل اشعار کے مطابق آدم کو یہ خود شناسی اور خود نگری کی خیرات بھی بارگاہِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے حاصل ہوئی ہے۔

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بُو
آں کہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفیٰؐ او را بہاست
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ ست

بہرحال نوعِ انسانی کی اس خود شناسی اور خود نگری ہی کی بنا پر ابلیس کو حاکمیتِ انسانی کی اس نجاست اور گندگی کو جو پہلے ٹنوں کے حساب سے کسی ایک انسان کے سر کا "تاج" بنی ہوتی تھی تولہ تولہ اور ماشہ ماشہ کے حساب سے ایک ایک "شہری" کو تقسیم کرنے کی تکلیف گوارا کرنی پڑی۔

بہرحال اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اب انسانی حاکمیت اور خلافت کے نظریات برابری کی سطح پر ایک دوسرے کے مدِمقابل آگئے ہیں۔ چنانچہ آج پوری دنیا کا محبوب و مقبول تصور تو یہ ہے کہ ہر انسان حاکمیت (SOVEREIGNTY) کا حامل ہے اور وہ اپنے ووٹ کے ذریعے اپنے اس حقِ حاکمیت کو کسی دوسرے شخص کو منتقل (DELEGATE) کرتا ہے اور ان ووٹوں کی اکثریت کی بنا پر کوئی ایک شخص ریاست کا صدر یا حکومت کا سربراہ قرار پاتا ہے۔ بالکل اسی کے متبادل اور متوازی معاملہ خلافت کا ہے۔ چنانچہ جیسے کہ معروف دینی و سیاسی رہنما مولانا سید وصی مظہر ندوی نے بھی اپنے ایک حالیہ انٹرویو (شائع شدہ روزنامہ جنگ لاہور بابت ۲۸/ اکتوبر ۹۴ء) میں بجا طور پر فرمایا ہے' ہر مسلمان خلافتِ الٰہی کا حامل ہے' جس کا ایک حصہ تو وہ خود اپنی ذات اور اپنے ذاتی دائرۂ اختیار پر "خلیفۃ اللہ" کی حیثیت سے انفرادی طور پر نافذ کرتا ہے اور ایک حصہ خلافت کے اجتماعی نظام کے قیام کے لئے اپنی "رائے" کی صورت میں کسی دوسرے مسلمان کو منتقل کرتا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کی ایسی آراء کی اکثریت کی بنا پر کوئی مسلمان "خلیفۃ المسلمین" قرار پائے گا اور ع "سُرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف" کے مصداق جو لوگ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی احادیث کی دو آنکھوں سے مستقبل کا مشاہدہ کرنے اور "آنے والے دَور" کی تصویر دیکھنے کی اہلیت سے بہرہ ور ہیں وہ جانتے ہیں کہ مستقبل قریب میں تاریخ انسانی کا آخری فیصلہ کن معرکہ "حاکمیتِ انسانی" کے اس شیطانی خناس اور "خلافت علیٰ منہاج النبوت" کے رحمانی نظام ہی کے مابین ہونے والا ہے۔ اور اگرچہ فرانسس فوکویاما (FRANCIS FUKUYAMA) جیسے امریکی مفکرین تو بغلیں بجا رہے ہیں کہ مغرب کی مادر پدر آزاد سرمایہ دارانہ جمہوریت ہی انسان کے عمرانی ارتقاء کی آخری معراج ہونے کے اعتبار سے "انتہاءِ تاریخ" ("END OF HISTORY") کی حیثیت رکھتی ہے جسے کمیونزم کے زوال کے بعد اب کسی جانب سے کوئی اور چیلنج درپیش نہیں ہو سکتا' اور سموئیل ہنٹنگٹن (SAMUEL P.HUNTINGTON)

جیسے سنجیدہ اہلِ قلم کے نزدیک بھی آئندہ تصادم صرف دو نہیں متعدد تہذیبوں کے مابین ہو گا' لیکن واقعہ یہ ہے کہ اصل حقیقت وہی ہے جو اَب سے لگ بھگ ساٹھ سال قبل ایک مردِ رویش (اقبال) نے ابلیس کی زبانی کہلوائی تھی' یعنی۔

جانتا ہے جس پہ روشن باطنِ ایام ہے
مزدکیت فتنۂ فردا نہیں' اسلام ہے!

گویا مستقبل قریب میں شیطنت اور ابلیسیت کے مظہرِ اَتم یعنی "مغرب کے جمہوری نظام" کو اصل چیلنج اسلام اور اس کے "نظامِ خلافت" کی جانب سے پیش آنے والا ہے۔ چنانچہ علامہ مرحوم نے اس آنے والے تصادم کی خبر بھی واضح الفاظ میں دے دی تھی' یعنی۔

دنیا کو ہے پھر معرکۂ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا
اللہ کو پامردیٔ مومن پہ بھروسہ
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

اور اس کے ساتھ ساتھ امتِ مسلمہ کو للکارا بھی تھا کہ نظامِ خلافت کو کسی خطۂ ارضی میں دوبارہ قائم کرنے کے لئے کمر کس لے' یعنی۔

تا خلافت کی بِنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر!

اور ظاہر ہے کہ اس مردِ رویش کے نزدیک تو نظامِ خلافت کے احیاء کے لئے موزوں ترین ملک وہی ہو سکتا تھا جس کا "مشاہدہ" اس نے اس کے وجود میں آنے سے سترہ سال قبل کر لیا تھا اور جس کے بارے میں فرمایا تھا کہ اگر وہ ملک وجود میں آگیا' جیسا کہ میرے نزدیک تقدیرِ مبرم (DESTINY) ہے' تو ہمیں ایک موقع مل جائے گا کہ اسلام کی تعلیمات پر جو پردے عرب ملوکیت (ARAB IMPERIALISM) کے

(باقی صفحہ ۵۸ پر)

فتح و نصرت کا نقطۂ آغاز
صلح حدیبیہ

"اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا"

سورۃ الفتح کے آخری رکوع کی روشنی میں

(۱)

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ - اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ○ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ○ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۖ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى

عَلٰی سُوْقِہٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِہِمُ الْکُفَّارَ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْھُمْ مَّغْفِرَۃً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا ○ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ!

یہ سورۃ الفتح کے آخری رکوع کی آیات ہیں۔ سورۃ الفتح کے بارے میں یہ بات عرض کی جا چکی ہے کہ وہ تقریباً کل کی کل صلح حدیبیہ کے گرد گھومتی ہے۔ سیرت مطہرہ میں یہ ایک اتنا اہم واقعہ تھا کہ اس پر ایک پوری سورۂ مبارکہ نازل ہوئی جس کا آغاز ان الفاظ مبارکہ سے ہوا: اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا ○ "اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ کو ایک کھلی فتح عطا فرمائی۔" عام طور پر سطح بین لوگوں کے لئے فتح مکہ کا واقعہ زیادہ اہم ہے لیکن قرآن مجید پر اگر غور کیا جائے' حالات کے اصل رخ کو سمجھا جائے اور حالات کی رفتار کی نبض پر اگر ہاتھ ہو تو واقعتاً یہ بات سامنے آتی ہے کہ فتح عظیم اور فتح مبین صلح حدیبیہ ہی تھی کہ جس کے بعد حالات اس تیزی سے مسلمانوں کے حق میں تبدیل ہوئے کہ یہ صلح درحقیقت فتح مکہ کی تمہید ثابت ہوئی کہ جس کے نتیجے میں سرزمین عرب پر اسلام کا بول بالا ہو گیا۔

غزوۂ احزاب ۵ھ میں واقع ہوا۔ یہ درحقیقت مشرکین عرب کی جانب سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ روکنے کی ایک متحدہ کوشش تھی۔ اس کے لئے اتنی بھرپور تیاری ہوئی تھی' اتنا اہتمام ہوا تھا' اتنے مختلف گروہ اور اتنی مختلف قومیں اس میں جمع ہوئی تھیں کہ اس کا دوبارہ پھر اسی اہتمام کے ساتھ اعادہ تقریباً ناممکن تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک حالات کی نبض پر تھا۔ آپؐ نے صورت حال کا صحیح صحیح اندازہ کر لیا تھا' چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے تائید غیبی اور معجزانہ امداد کے ذریعے اس غزوہ میں فتح عطا فرما دی اور دشمنوں کے لشکروں کو بے نیل مرام واپس لوٹنا پڑا تو حضورؐ نے یہ خبر دے دی کہ "لن یغزوکم قریش بعد عامکم ھذا" اے مسلمانو' اب قریش دوبارہ تم پر حملہ آور نہیں ہوں گے۔ گویا آپؐ نے مسلمانوں کو صاف الفاظ میں فرما دیا کہ کفار کی قوت اب ٹوٹ چکی ہے' ان کی ہمت جواب دے چکی ہے' یہ آخری بار تھی کہ انہوں نے اپنی ہمت کو مجتمع کر کے اتنا بھرپور حملہ کیا تھا۔ ساتھ ہی آپؐ نے یہ نوید بھی سنائی:

"ولکنکم تغزونھم" کہ اب صورت حال تبدیل ہو چکی ہے' (Tables have Been Truned)' اب تم اقدام کرو گے' آئندہ آغاز تمہاری جانب سے ہو گا۔ اس سے صاف اندازہ ہو جاتا ہے کہ حالات کی رفتار پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری نگاہ تھی' پوری صورت حال آپ کے سامنے عیاں تھی۔ چنانچہ اگلے ہی سال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرے کے ارادے سے مکے کا سفر اختیار فرمایا۔

مسلمانوں کا سفر عمرہ۔ مشرکین مکہ کی طرف سے مزاحمت

چشم تصور سے دیکھئے' مسلمان احرام باندھے ہوئے ہیں' ہتھیار اگرچہ ساتھ لئے ہیں لیکن نمایاں نہیں ہیں' تلواریں نیاموں کے اندر ہیں۔ ہدی کے جانور ساتھ ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چودہ سو صحابہ کرامؓ محو سفر ہیں' مکے کی طرف منزل بہ منزل سفر طے ہو رہا ہے۔ ادھر مکے میں خبر پہنچی تو کہرام مچ گیا۔ مسلمانوں کو عمرے کے لئے آنے کی جرات کیسے ہوئی؟ یہ چودہ سو مسلمان کس ارادے سے آ رہے ہیں؟ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ اہل مکہ کے لئے ایک عجیب اور پیچیدہ صورت پیدا ہو گئی۔ مسلمانوں کو مکہ میں داخلے کی اگر اجازت دیتے ہیں تو یہ گویا کہ شکست تسلیم کرنے کے مترادف ہے۔ انہیں اگر روکنے کی کوشش کرتے ہیں تو اپنی حالت بھی نگاہوں کے سامنے ہے کہ اب اتنے طاقتور نہیں رہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کو روک سکیں۔ لیکن بہرحال جو بھی قوت تھی اسی پر انحصار کرتے ہوئے اپنی ہمت کو مجتمع کر کے انہوں نے یہ طے کیا کہ جس طرح بھی ہو اس وقت تو ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مکے میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے مقام پر پہنچ کر پڑاؤ ڈال دیتے ہیں۔ سلسلہ جنبانی کا آغاز ہوتا ہے۔ سفارتیں آنی شروع ہوئیں' ادھر مکہ سے کچھ لوگ آئے' انہوں نے کوشش کی کہ مسلمانوں کو مرعوب کریں لیکن واقعہ یہ ہے کہ خود مرعوب ہو کر واپس لوٹے۔ سہیل بن عمرو' قریش مکہ کا ایک بہت بڑا خطیب جا کر لوگوں کو خبر دیتا ہے کہ لوگو میں نے بڑے بڑے شہنشاہوں کے دربار دیکھے ہیں' لیکن جس طرح محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لانے والے ان پر پروانہ وار نچھاور ہونے کو تیار ہیں وہ عزت' وہ احترام اور وہ محبت میں نے کبھی

کسی انسان کی انسانوں کے دلوں میں نہیں دیکھی۔ لیکن بہرحال کفار مکہ اس طرح فوری طور پر اپنی آن سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں تھے۔

مسلمانوں کے کیمپ سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سفیر کی حیثیت سے بھیجا جاتا ہے۔ ان کی واپسی میں تاخیر ہو جاتی ہے۔ خبر اڑتی ہے کہ شاید وہ شہید کر دیئے گئے ہیں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیعت لیتے ہیں' جسے سیرت کی کتابوں میں بیعت رضوان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ چودہ سو صحابہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں اور خون عثمان کا قصاص لینے کا عزم کرتے ہیں۔ اس واقعے کا ذکر اسی سورۂ مبارکہ میں موجود ہے۔ "اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا ان اہل ایمان سے جنہوں نے اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے ہاتھ پر بیعت کی ایک درخت کے نیچے۔" اور اے نبی "جن لوگوں نے آپ سے بیعت کی ہے انہوں نے درحقیقت اللہ سے بیعت کی ہے' ان کے ہاتھوں کے اوپر اللہ کا ہاتھ ہے" بعد میں معلوم ہوا کہ یہ خبر بے بنیاد تھی۔

صلح کی یکطرفہ شرائط۔ مسلمانوں کی ہیجانی کیفیت

بہرحال اس دو طرفہ گفت و شنید کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایک مصالحت ہو جاتی ہے۔ وہ مصالحت کہ جو بظاہر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کسی قدر دب کر ہو رہی ہے' بظاہر کفر کو اس میں ایک غالب حیثیت حاصل ہے۔ طے ہو رہا ہے کہ آپ اس سال عمرہ نہیں کریں گے' اسی طرح واپس چلے جائیں گے' ہاں اگلے سال عمرہ ادا کرنے کے لئے آ سکتے ہیں لیکن اس وقت انہیں واپس جانا ہو گا۔ آئندہ دس سال کے لئے جنگ بندی کا معاہدہ (No War Pact) ہو رہا ہے۔ اس میں کفار کی طرف سے یہ شرط بھی رکھی جاتی ہے کہ اگر کوئی مسلمان مکے سے بھاگ کر مدینے پہنچا تو آپ کو واپس کرنا ہو گا اور اگر مدینے سے کوئی مسلمان مرتد ہو کر مکے میں آ جاتا ہے تو ہم اس کو واپس کرنے کے پابند نہیں ہوں گے۔ آنحضورؐ اس شرط کو بھی تسلیم فرما لیتے ہیں۔ یہ ساری شرطیں منہ سے بول رہی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کچھ دب کر صلح کی جا رہی ہے۔ صحابہ کرامؓ میں اضطراب و بے چینی ہے۔ وہ بے چینی خاص طور پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت

میں نمایاں ہو جاتی ہے۔ پریشان ہیں کہ یہ کیا ہو رہا ہے' کیوں ہو رہا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ سے کہتے ہیں کہ کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ اگر حق پر ہیں تو پھر ہم یہ دب کر صلح کیوں کر رہے ہیں؟ یہی سوال وہ کسی قدر نامناسب لہجے میں خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کرتے ہیں جس میں شدت جذبات کا رنگ غالب تھا' جس پر کہ پھر ساری عمر وہ کف تاسف ملتے رہے اور افسوس کرتے رہے۔ لیکن ظاہر بات ہے کہ یہ انداز در حقیقت حمیت و غیرت ایمانی کا مظہر تھا۔ وہی حمیت و غیرت ایمانی ایک اور انداز میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے بھی اس موقع پر ظاہر ہوئی جب معاہدہ لکھا جا رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم املا (Dictate) کروا رہے ہیں اور حضرت علیؓ لکھ رہے ہیں: "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم O" قریش کا نمائندہ اعتراض کرتا ہے کہ نہیں' جو پرانا انداز تھا اسی کو اختیار کیا جائے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم O" کی بجائے "بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ" کے الفاظ لکھے جائیں جو ہماری پرانی روایت کے مطابق ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھیک ہے۔ آگے لکھا جاتا ہے: "یہ ہے وہ معاہدہ جو محمد رسول اللہ اور قریش کے مابین ہوا۔" اس پر نکتہ اعتراض بلند کیا جاتا ہے کہ ہم آپؐ کو اللہ کا رسول نہیں مانتے' اگر رسول مان لیں تو سارا جھگڑا ختم ہو جائے' لہٰذا یوں لکھا جائے کہ "یہ محمد ابن عبداللہ اور قریش کے مابین معاہدہ ہے۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے ہوئے حضرت علیؓ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ کے الفاظ مٹا دو۔ حضرت علیؓ عرض کرتے ہیں کہ حضورؐ میرے اندر اس کی تاب نہیں ہے۔ گویا کہ یہاں بظاہر حکم عدولی ہو رہی ہے لیکن یہ بھی در حقیقت غیرت و حمیت ایمانی کا اظہار تھا۔ حضورؐ فرماتے ہیں کہ مجھے دکھاؤ وہ الفاظ کہاں ہیں اور پھر اپنے دست مبارک سے "رسول اللہ" کے الفاظ مٹا دیتے ہیں۔ اس پورے پس منظر میں جو بات دراصل سمجھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ بظاہر دب کر جو صلح کی جا رہی تھی وہ کچھ ہی عرصے کے بعد ایک کتنی بڑی فتح مسلمانوں کے حق میں ثابت ہوئی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حالات کا رخ کس درجے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر روشن تھا۔ اس صلح کو بلاشبہ آپؐ کے تدبر کا شاہکار قرار دیا جا سکتا ہے۔

تمام مسلمانوں کی ذہنی و جذباتی کیفیت اس وقت کم و بیش وہی تھی جس کی کسی قدر

عکاسی حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے طرز عمل سے ظاہر ہوتی ہے۔ یہ دیکھ کر کہ کفار مکہ کی ہر شرط حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبول کئے جا رہے ہیں' ان پر شدید اضطرابی کیفیت طاری تھی۔

اس سلسلے کا یہ واقعہ بھی بڑا عجیب ہے کہ جب صلح کی بات مکمل ہو گئی' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے کہا کہ اب احرام کھول دو اور قربانی یہیں دے دو۔ لیکن کوئی شخص اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔ آپؐ نے دوبارہ یہی بات ارشاد فرمائی' لیکن اب بھی کوئی نہیں اٹھ رہا۔ یہاں تک کہ تیسری مرتبہ فرمانے پر بھی کسی کو جنبش نہیں ہوئی۔ اس پر حضورؐ کچھ ملول ہو کر اپنے خیمے میں تشریف لے جاتے ہیں اور اپنی زوجہ محترمہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کسی قدر شکوے کے انداز میں کہتے ہیں کہ میں نے تین مرتبہ مسلمانوں سے احرام کھولنے کو کہا لیکن کوئی ایک شخص بھی نہیں اٹھا۔ حضرت ام سلمہؓ مسلمانوں کی جذباتی حالت کے پیش نظر مشورہ دیتی ہیں کہ حضورؐ آپ کسی سے کچھ نہ کہئے' بس اتنا کیجئے کہ خود اپنا احرام کھول دیجئے اور قربانی دے دیجئے۔ آپ سے آپ معاملہ ٹھیک ہو جائے گا اور بعینہ یہی ہوا۔ جیسے ہی حضورؐ نے اپنا احرام کھولا اور قربانی دی' یوں محسوس ہوا گویا کہ بند کھل گئے اور سب صحابہؓ نے آپؐ کی پیروی کی۔

صلح کے اثرات۔ مسلمانوں کے حق میں

یہ صلح اس اعتبار سے بڑی اہم ہے کہ اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دو سال کا عرصہ ایسا ملا جس میں آپؐ نے کئی محاذوں پر اپنے کام کو وسعت دی۔ جنگ و جدال کا خاتمہ ہو گیا۔ قریش کے ہاتھ گویا کہ بندھ گئے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کھل گئے۔ دعوت و تبلیغ کا عمل پوری شدت کے ساتھ جاری ہو گیا۔ وہ اصحاب صفہ جن کی تربیت مسجد نبویؐ میں ہو رہی تھی اب ان کے وفود تشکیل دیئے جا رہے ہیں' جزیرہ نمائے عرب کے طول و عرض میں تبلیغی سرگرمی اپنے پورے نقطہ عروج کو پہنچ گئی ہے۔ یہی وہ دور ہے کہ جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ سلم نے یہود کی قوت پر آخری اور بھرپور وار کیا۔ اس وقت تک یہود کے تینوں قبیلے مدینہ منورہ سے نکل چکے تھے۔ بنو قینقاع کو غزوۂ بدر کے فوراً بعد ۲ھ

میں اور بنو نضیر کو ۴ھ میں دیس نکالا دیا گیا تھا' جبکہ بنو قریظہ کو ان کی عہد شکنی کی پاداش میں سخت ترین سزا دی گئی تھی۔ ان کے جنگ کے قابل تمام مرد قتل کئے گئے تھے اور ان کا مال و اسباب مسلمانوں نے اپنی ملکیت میں لیا تھا۔ بہرحال یہود کی ساری بچی کھچی قوت اب خیبر میں مجتمع ہو چکی تھی اور یہ اب یہود کے جلاوطن قبائل کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۷ھ میں اس پر حملہ کیا اور اللہ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔

دعوت کے بین الاقوامی مرحلے کا آغاز

اسی دو سال کے عرصے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی بار اپنی دعوت کو آس پاس کے علاقوں میں وسعت دینے کے لئے قدم اٹھایا۔ یہ معاملہ سیرت میں ایک اہم موڑ کی حیثیت رکھتا ہے۔ جیسا کہ اس سے قبل سورہ الجمعہ کے درس کے ضمن میں عرض کیا جا چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت صرف عرب کے لئے نہ تھی بلکہ آپ پوری نوع انسانی کی جانب رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ لیکن دیکھئے کہ دعوت میں جو تدریج نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملحوظ رکھی وہ کس قدر منطقی اور معقول ہے۔ تیرہ برس تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت و تبلیغ کو صرف مکے تک محدود رکھا۔ صرف ایک سفر کا ذکر ملتا ہے یعنی طائف کا سفر۔ اور انہی دنوں میں ایک اور سفر بھی آپ نے کیا اور وہاں سے بھی آپ کو بظاہر ناکام ہی لوٹنا پڑا۔ تیرہ برس کے عرصے میں اہل مکہ نے جب اپنے طرز عمل سے ثابت کر دیا کہ اس دعوت کے لئے اب یہاں مزید کوئی امکانات نہیں ہیں تب آپ مدینے تشریف لائے۔ ہجرت مدینہ کے بعد بھی مسلسل سات برس تک آپ نے اپنی تمام مساعی کو اندرون ملک عرب پر مرکوز رکھا۔ حالانکہ آپ عرب اور عجم دونوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ آپ کی بعثت پوری نوع انسانی کے لئے تھی۔ چنانچہ نظری طور پر اس کا امکان تھا کہ جب آپ نے مکے میں اپنی دعوت کا آغاز کیا اسی وقت آپ قیصر روم کو' کسریٰ فارس کو' مقوقس شاہ مصر کو اور نجاشی شاہ حبشہ کو بھی خطوط لکھ دیتے اور ان کی طرف ایلچی روانہ کر دیتے۔ لیکن نہیں' یہ بات ایک تدریج ہی کے ساتھ ہو سکتی تھی اور اس تدریج ہی میں معنویت پنہاں تھی۔ چنانچہ ۷ھ میں جب کہ اندرون ملک عرب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کی قوت کو تسلیم کیا جا چکا تب آپ نے بیرون ملک عرب اپنے خطوط اور ایلچی بھیج کر اپنی دعوت کے بین الاقوامی مرحلے کا آغاز فرمایا۔ صلح حدیبیہ درحقیقت اس بات کی علامت (Symbol) تھی کہ قریش نے نبی اکرمؐ اور مسلمانوں کی اس حیثیت کو تسلیم کر لیا کہ اب آپؐ بھی ملک عرب کی ایک اہم طاقت ہیں۔ جب اس حد تک جزیرہ نمائے عرب کے اندر ایک فیصلہ کن حیثیت حاصل ہو گئی تب آپؐ نے اپنی دعوت و تبلیغ کا دائرہ وسیع کیا۔ یہی زمانہ ہے جبکہ آپؐ نے دعوتی خطوط بھیجے۔ یہی وہ وقت ہے جب آپؐ کے ایلچی آپ کے نامہ ہائے مبارک لے کر ہرقل روم کے دربار میں بھی گئے اور شاہ ایران اور مقوقس مصر کے دربار میں بھی پہنچے۔ اسی طرح اطراف و جوانب کے جتنے بھی حکمران تھے ان کی طرف آپ نے دعوتی خطوط بھیجے۔ یوں سمجھئے کہ صلح حدیبیہ کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جدوجہد کے دو رخ ہو گئے۔ ایک جانب ابھی اندرون ملک یعنی جزیرہ نمائے عرب کے اندر اس انقلاب کی تکمیل کے لئے جدوجہد جاری ہے تو دوسری جانب بیرون عرب بین الاقوامی سطح پر پیغام محمدی دعوت و تبلیغ اسلام کا آغاز ہو رہا ہے۔ (جاری ہے)

بقیہ : تفکر و تذکر

دور میں پڑ گئے تھے انہیں ہٹا کر اصل اسلام کی ایک جھلک چشم عالم کو دکھا دیں! کاش کہ علامہ مرحوم کے خوابوں کی سرزمین پاکستان کے مسلمانوں کو اس سلطنتِ خداداد کے قیام کا اصل مقصد پھر یاد آ جائے اور وہ وطن عزیز میں "خلافت علیٰ منہاج النبوت" کے نظام کے قیام کے لئے تن من دھن وقف کر دیں تاکہ اس عالمی نظامِ خلافت کا نقطۂ آغاز بننے کی سعادت اسی ارض پاک کو حاصل ہو جائے جس کی واضح اور صریح خبر نبی اکرم ﷺ نے دی ہے۔ (آمین)

قرآن اور صاحب قرآن

پروفیسر ریاض الرحمٰن، ملتان

قرآن مجید کے حوالے سے مسلمانوں پر کیا کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ اس موضوع پر امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کی فکر انگیز تحریر "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" یقیناً رفقاء و احباب کے مطالعے میں آئی ہوگی۔ محترم ریاض الرحمٰن صاحب کے زیر نظر مقالہ کے ذریعے، جو موصوف نے قرآن اکیڈمی ملتان میں ایک اجلاس میں پیش کیا تھا، اس مضمون کے بعض پہلوؤں کی تشریح و توضیح نہایت عمدگی سے ہوتی ہے۔ (ادارہ)

الحمد للّٰہ الذی ھدانا لھٰذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللّٰہ ۔ والصلوٰۃ والسلام علی النبی العربی الامی الذی کان یتلو علی اھل عصرہٖ آیات اللّٰہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ، وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین ۔ صلی اللّٰہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین الی یوم الدین ۔ اما بعد۔ اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم ۔ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

(۱) لَوْ اَنْزَلْنَا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَہٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ، وَتِلْکَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُھَا لِلنَّاسِ لَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ ○ (الحشر : ۲۱)

(۲) وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِیْ کُلِّ قَرْیَۃٍ نَّذِیْرًا ○ فَلَا تُطِعِ الْکٰفِرِیْنَ وَجَاھِدْھُمْ بِہٖ جِھَادًا کَبِیْرًا ○ (الفرقان : ۵۱-۵۲)

(۳) لَا یَاْتِیْہِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْہِ وَلَا مِنْ خَلْفِہٖ، تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَکِیْمٍ حَمِیْدٍ ○ (حم السجدہ : ۴۲)

---

(۱) القرآن

قرآن مجید وہ کتاب انقلاب ہے جس نے نوع انسانی کے افکار، اخلاق، تہذیب، اور طرز زندگی پر اتنی وسعت، اتنی گہرائی اور اتنی ہمہ گیری سے اثر ڈالا ہے کہ دنیا میں اس کی

کوئی نظیر نہیں ملتی۔ اپنی جگہ پر اگرچہ اس کتاب کی فصاحت و بلاغت بھی لاجواب ہے' مگر اعجاز قرآن کچھ فصاحت و بلاغت اور زور بیان تک ہی محدود نہیں ہے۔ اس کتاب کی شدت تاثیر یقیناً ناقابل انکار ہے۔ اسے عتبہ نے جب سنا تو خوف کے مارے اس کا رنگ فق ہو گیا' اسے نجاشیؓ نے سنا تو ان کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں' حضرت عمرؓ جیسے سخت گیر آدمی نے سنا تو ان کا دل پگھل گیا اور وہ رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ میں کشاں کشاں حاضر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے' قریش کے ایک نامور سردار جبیر بن مطعم جنگ بدر کے بعد اسیروں کی رہائی کے لئے بات چیت کرنے جب مدینے حاضر ہوئے تو وہاں نبی اکرم ﷺ مغرب کی نماز پڑھا رہے تھے' اور اس میں سورۂ طور زیر تلاوت تھی' اس کی آیات ﴿اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ ○ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ' بَلْ لَا یُوْقِنُوْنَ ○ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَیْطِرُوْنَ ○ اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ یَّسْتَمِعُوْنَ فِیْهِ' فَلْیَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ○﴾ (۳۵ تا ۳۹) جب آنحضور ﷺ پڑھ رہے تھے تو جبیر کا اپنا قول ہے کہ میرا دل سینے سے اڑا جا رہا تھا۔ انہی آیات سے اسلام ان کے دل میں جڑ پکڑ چکا تھا اور وہ بعد میں مسلمان ہو گئے۔

اس انتہائی مؤثر کلام کے ذریعہ سے شرک اور جاہلیت کے ایک ایک پہلو پر ایسی مدلل تنقید کی گئی کہ کسی معقول آدمی کے لئے یہ ممکن نہ رہا کہ ان عقائد و رسوم اور اخلاق برائیوں کے حق میں ایک لفظ بھی کہہ سکتا' جن پر قریش اور عرب کے مذہب و تمدن کی بنا قائم تھی۔ پھر اسی کلام کے ذریعہ سے' اسلام کے عقائد اور اس کے اصول تہذیب و تمدن اور اس کی اخلاقی تعلیمات کو' کمال درجہ دل نشیں پیرایہ میں پیش کیا گیا کہ کوئی بڑے سے بڑا مخالف بھی زبان کھولنے کی گنجائش نہ پا سکا۔

یہ وہ جہاد بالقرآن ہے جس کا حکم آنحضور ﷺ کو سورۃ الفرقان کی تلاوت کردہ آیات میں دیا گیا ہے۔ آج قرآن کی تعلیمات سے سب سے زیادہ بعید خود ہم مسلمان ہیں اور اس بات کی شدید احتیاج ہے کہ مسلمانوں میں قرآن کے فکر کو اجاگر کرنے کے لئے بالکل ابتداء سے کام شروع کیا جائے۔ پورے عالم انسانی میں قرآن کی رہنمائی کی جتنی وضاحت ضروری ہے' خود مسلمان معاشروں میں قرآنی تعلیمات کی شناسائی اس سے بہت

زیادہ واضح انداز میں مطلوب ہے۔ اس کائنات میں انسان کے لئے فکر و عمل کا صحیح راستہ قرآن مجید ہی متعین کرتا ہے اور صحیح راستے پر چلنے کے لئے ایک پورے نظام زندگی کا نقشہ بھی ہمیں قرآن اور صاحب قرآن سے ہی ملے گا۔ یہی وہ نقشہ ہے کہ دس برس تک ہر سال رسول اللہ ﷺ عکاظ سے منیٰ تک کے اجتماعات میں تشریف لے جاکر عرب کے ہر حصے سے آئے ہوئے لوگوں کو، جس کی توضیح اور تبلیغ فرماتے رہے۔ آپ ﷺ قرآن سناتے رہتے اور ابوجہل اور ابولہب جیسے لوگ بر سرعام آپ کو پتھر مار کر اور آپ پر خاک دھول اڑا کر ان کو یہ بتاتے رہتے کہ اس کلام کا ان کے پاس جواب کیا ہے۔

بہرحال قرآن ہی وہ نسخہ کیمیا تھا جس کے ذریعے آں حضور ﷺ نے ایک اکمل و جامع اور ہمہ گیر انقلاب برپا کیا۔ آپ کا ارشاد ہے جسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے : "ان اللّٰہ یرفع بھٰذا الکتاب اقوامًا ویضع بہ آخرین" (رواہ مسلم) یعنی حکم بالقرآن موجب سربلندی ہے اور اس کو پس پشت ڈال دینا موجب پستی ہے۔

قرآن مجید کی شان خود صاحب قرآن سے سنئے۔ ایک عظیم الشان حدیث شریف کے الفاظ گوش گزار کرتا ہوں :

عن الحارث الاعور قال : مررتُ فی المَسجد، فاذا الناس یخوضون فی الاحادیث، فدخلتُ علٰی علیّ فاخبرتُہ فقال : اوفعلوھا، قلتُ نعم، قال اما انی سمعتُ رسولَ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول : "اَلَا اِنّھا ستکون فتنۃٌ" -- قلتُ : ما المَخرج منھا یارسولَ اللّٰہ؟ قال : "کتابُ اللّٰہ! فیہ نَبأُ ما قَبلکم --- وخبرُ ما بعدَ کم --- وحُکم ما بَینکم، --- ھُوالفصل لیس بِھَزل،

---- مَن ترکہٗ من جبار قصَمہُ اللّٰہُ

---- وَمن ابتغَی الھُدٰی فی غیرِہ اَضلّہ اللّٰہُ

---- وھو حَبل اللّٰہ المَتین

---- وَھوالذ کرُالحکیمُ، ---- وَھوالصِراطُ المستقیمُ

---- ھوالذی لاتزیغ بہ الاھواء

---- وَلاتلتبس بہ الالسنۃ

---- وَلایشبع منہ العلماء

---- ولایخلق عن کثرۃ الرد

---- ولاینقضی عجائبہ

---- ھوالذی لم تنتہ الجن اذ سمعتہ حتیٰ قالوا : ﴿اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا یَّھْدِیْ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِہٖ﴾

---- من قال بہ صَدق ----ومن عمل بہ اُجِرَ

---- ومن حَکم بہ عدل ----ومن دَعا الیہ ھُدِیَ الیٰ صراطٍ مستقیم"

ترجمہ :

"حارث الاعور روایت کرتے ہیں کہ میں مسجد سے گزرا تو میں نے لوگوں کو حدیث کے معاملے میں جھگڑتے ہوئے پایا تو میں علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے انہیں اس بات کی اطلاع دی۔ انہوں نے پوچھا کیا واقعی ان لوگوں نے ایسا کیا ہے؟ میں نے کہا ہاں' انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا : "خبردار رہو عنقریب ایک بڑا فتنہ رونما ہوگا"۔ میں نے پوچھا اے اللہ کے رسولؐ اس سے بچاؤ کا راستہ کون سا ہے؟ فرمایا : "اللہ کی کتاب' اس میں تم سے پہلوں کے حالات بھی ہیں اور تمہارے بعد آنے والے واقعات کی خبریں بھی' اور تمہارے تمام باہمی جھگڑوں کا فیصلہ بھی۔ یہ ایک فیصلہ کن کلام ہے کسی شاعر کی لفاظی نہیں۔ جس کسی نے تکبر کی بنا پر اس قرآن کو ترک کیا اللہ اسے تباہ کر دے گا۔ اور جس کسی نے قرآن کو چھوڑ کر کہیں اور سے ہدایت چاہی اللہ اسے گمراہ کر دے گا۔ اور یہی قرآن اللہ کی مضبوط رسی ہے' اور یہی ذکر حکیم ہے' اور یہی صراطِ مستقیم ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جس کے ہوتے ہوئے خواہشِ نفس گمراہ نہیں کر سکتی' اور نہ ہی زبانیں اس میں التباس پیدا کر سکتی ہیں۔ علماء اس سے کبھی سیر نہیں ہو سکتے' بار بار پڑھنے سے اس پر کبھی بوسیدگی طاری نہیں ہو سکتی' اور نہ ہی اس کے عجائبات کبھی ختم ہو سکتے ہیں۔ یہ وہ کتاب ہے جسے جنوں کی ایک جماعت نے جب سنا

تو وہ یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ : "ہم نے ایک نہایت عجیب قرآن سنا جو راہ راست کی طرف ہدایت دینے والا ہے پس ہم اس پر ایمان لے آئے"۔ جس کسی نے اس قرآن کی بنیاد پر کوئی بات کہی اس نے سچ کہا اور جس نے اس کی بنیاد پر فیصلہ کیا اس نے عدل کیا اور جس نے لوگوں کو اس کی طرف بلایا اسے صراط مستقیم کی ہدایت مل گئی"۔

اس عظیم الشان کتاب کے مسلمانوں پر متعدد حقوق عائد ہوتے ہیں 'جنہیں مسلمان ادا کرنے سے غافل ہیں۔ محض چومنے اور اونچی جگہ پر 'ریشمی غلافوں میں لپیٹ کر رکھ دینے کے علاوہ کچھ نہیں کرتے ... عملاً اسے پس پشت ڈالے ہوئے ہیں۔ آیئے قرآن مجید سے ہی قرآن کے حقوق دریافت کرتے ہیں۔ قرآن مجید کے مسلمانوں پر حقوق کم از کم پانچ ہیں : (۱) ایمان و تعظیم (۲) تلاوت و ترتیل (۳) تذکر و تدبر (۴) حکم و اقامت (۵) تبلیغ و تبیین

(۱) قرآن پر ایمان اور اس کی تعظیم کا مطلب یہ ہے کہ محض ایک متوارث عقیدے کے طور پر ماننے پر ہی اکتفا نہ کی جائے بلکہ دلوں میں یہ پختہ یقین ہو کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور ہماری ہدایت کے لئے نازل ہوا ہے۔ حدیث شریف میں وہ کسوٹی مذکور ہے جس پر پرکھنے سے قرآن پر ایمان کا ہونا یا نہ ہونا معلوم ہو جاتا ہے۔ وہ کسوٹی یہ ہے۔

مَا آمَنَ بِالقُرآنِ مَنِ اسْتَحَلَّ مَحَارِمَهُ

"وہ شخص قرآن پر ایمان نہیں لایا جس نے اس کے حرام کردہ کاموں کو حلال ٹھہرا لیا۔"

مثلاً چند محارم یہ ہیں : سود 'جوا 'رشوت 'خیانت 'شرک 'تحاکم الی الطاغوت

(۲) قرآن کریم کا دوسرا حق تلاوت ہے 'قرآن مجید میں ہے :

اَلَّذِينَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ 'اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ 'وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○ (البقرہ : ۱۲۱)

"وہ لوگ کہ جنہیں ہم کتاب عطا کرتے ہیں وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ اس

کی تلاوت کا حق ہے۔ یہی لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں' اور جو کوئی اس کا کفر کرے تو وہی ہیں خسارہ پانے والے۔"

تفسیری نکتہ : اللہ تعالیٰ نے کتاب در حقیقت انہی کو دی ہے جو اس کے قدر دان ہیں' رہے وہ لوگ جنہوں نے اس کی قدر نہیں کی تو ان کو گویا اللہ تعالیٰ نے کتاب دی ہی نہیں۔

حدیث شریف میں ہے :

(۱) بروایت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ : ان ھٰذہ القلوبَ تصدأ کما یَصدأُ الحدید اذا اَصابہ المَاء' قیل وما جِلاءُ ھا یارسول اللہ' قال : کثرۃُ ذکرِ المَوتِ وَتِلاوۃ القرآن (رواہ البیھقی)

"یقیناً دلوں پر بھی زنگ آجاتا ہے جیسے کہ پانی پڑنے سے لوہے پر زنگ آجاتا ہے۔ پوچھا گیا اس کا علاج کیا ہے اے اللہ کے رسول' فرمایا : موت کو کثرت سے یاد کرنا اور قرآن کی تلاوت۔"

(۲) عن عائشۃ قالت قال رسولُ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم: المَاھرُ بِالقرآن مَعَ السَّفرۃ الکِرام البررۃ' وَالذی یقرء القرآنَ وَیَتَتَعْتَعُ فیہ وھو علیہ شاقٌّ' لہٗ اجران ۔ (متفق علیہ)

"قرآن کے ماہر (عالم اور قاری) کا درجہ تو نہایت باعزت فرشتوں کے برابر ہے اور وہ شخص جو قرآن کو پڑتے ہوئے اٹکتا ہو اور یہ چیز اس پر بھاری ہو' اس کے لئے دوہرا اجر ہے۔"

اب غور طلب پہلو یہ ہے کہ تلاوت قرآن مجید کس طرح کرنا درست ہے' مطلوب ہے اور پسندیدہ ہے اور کون سے انداز تلاوت کرنے کے ناپسندیدہ ہیں۔ اس سلسلے میں احادیثِ مبارکہ اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہماری رہنمائی کرتے ہیں :

(۱) حضرت ام سلمہؓ ام المومنین فرماتی ہیں :

کان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم یقطع قِراءَتَہ یقول "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِینَ" ثم یقف' ثم یقول : "اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ" ثم یقف۔

"رسول اللہ ﷺ اپنی قراءت میں وقفہ ڈالتے تھے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ پڑھ کر وقف کرتے' پھر اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم پڑھتے اور یہاں بھی وقف کرتے۔"

(ب) ایک حدیث مبارکہ اس ضمن میں نہایت واضح ہے جس سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ قرآن مجید سادہ اور فطری طریق سے پڑھا جائے جس طرح ایک عرب پڑھتا ہے' مگر ایسے نہ پڑھا جائے جیسے عشق باز لوگ غزلیں پڑھتے ہیں یا جیسے عورتیں بین کرتی ہیں --- حدیث شریف کے الفاظ سماعت فرمایئے :

(عن حذيفة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : "اقراؤا القرآن بلحون العَرب واَصواتِها' وايا كم ولحونِ اهل العِشق ولُحون اهل الكتابين' وسجيىء بعدى قوم يرجعون بالقرآن ترجيع الغناء والنوح' لا يحاوز حناجرهم مفتونه قلوبهم وقلوب الذين يعجبهم شانهم"

قرآن مجید کے حق تلاوت کا ایک پہلو حفظ القرآن ہے' چنانچہ ابن عمرؓ کی روایت ہے :

(عن ابن عمرؓ قال' قال رسول الله صلى الله عليه وسلم) لا حسد الاعلى اثنين: رجل اتاه الله القران فهو يقوم به آناء الليل وآناء النهار' ورجل آتاه الله مالاً فهو ينفق منه آناء الليل وآناء النهار (متفق عليه)

"دو اشخاص کے سوا کسی سے حسد کرنا (مراد ہے رشک کرنا) جائز نہیں۔ ایک وہ شخص جسے اللہ نے قرآن عطا کیا ہو اور پھر وہ رات دن اسی میں مشغول رہے اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے مال عطا کیا ہو اور وہ دن رات اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرتا رہے۔"

---

(۳) قرآن مجید کا تیسرا حق تذکر و تدبر ہے: قرآن حکیم اپنی تعلیمات کو "ذکر' ذکریٰ' تذکرہ' جیسے حقیقت افروز ناموں سے موسوم کرتا ہے' ان ناموں کو ہم اردو میں "یاددہانی" سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ سورۂ عبس میں فرمایا: کَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ (کچھ نہیں' یہ تو دراصل

ایک یاددہانی ہے) ایک جگہ فرمایا: اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ (التکویر: ۲۷) ایک جگہ یوں آیا ہے اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ (الانعام) یعنی یہ تو محض ایک یاددہانی ہے سارے جہان والوں کے لئے۔

پھر قرآن یاددہانی کرانے والے کو مذکّر کہتا ہے' اور اس کے عمل دعوت و موعظت کو تذکیر کہتا ہے اور اس عملی تذکیر سے فائدہ اٹھانے کو تذکّر کہتا ہے۔ اور یہ نصیحت حاصل کرنا مستلزم ہے تدبّر کو--- تدبر کا معنیٰ ہے غور و فکر کرنا۔ قرآن نے ذکر کے ساتھ فکر کو ملا کر گویا یہ باور کرا دیا کہ محض "ذکر" وہ ثمرات نہیں دے سکتا جو فکر و تدبر کے ساتھ لازم و ملزوم ہونے کی صورت میں حاصل ہوتے ہیں۔ قرآن مجید (جو بذات خود بھی ذکر ہے) اپنے ماننے والوں سے تدبر کا تقاضا کرتا ہے۔ چنانچہ فرمایا: وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ○ (القمر) ترجمہ "اور ہم نے قرآن کو آسان بنا دیا یاددہانی کے لئے پس ہے کوئی جو یاددہانی حاصل کرے"۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (محمد: ۲۴) ترجمہ "کیا یہ لوگ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑ گئے ہیں"۔ ایک اور جگہ یوں فرمایا:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○ (صٓ: ۲۹)

"یہ ایک بڑی برکت والی کتاب ہے جو (اے نبیؐ) ہم نے تمہاری طرف نازل کی ہے تاکہ یہ لوگ اس کی آیات پر غور کریں اور عقل و فکر رکھنے والے اس سے سبق لیں۔"

ان آیات سے صاف سمجھ میں آ رہا ہے کہ قرآن مجید کو بے سمجھے پڑھنا مطلوب نہیں ہے کیونکہ بے سمجھے پڑھنے سے تذکر (نصیحت حاصل کرنا' سبق لینا) ممکن نہیں ہے۔ تاہم محض ناظرہ تلاوت' بے سمجھے بھی اپنے اندر حفاظتِ متن قرآن کا پہلو رکھتی ہے اور یہ بھی دینی ضرورت ہے۔ لیکن تعلیم و تعلّم کا یہ ایک گوشہ ہے۔ حدیث شریف میں قرآن مجید کی فضیلت خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ (البخاری: عن عثمان بن عفانؓ) کو محض الفاظ کے پڑھنے پڑھانے تک محدود کرنا درست نہ ہوگا کیونکہ تعلیم اور تعلّم الفاظ سے آگے بڑھ کر فہم و بصیرت اور عملی طور پر اس کی تنفیذ تک وسیع مفہوم کے حامل ہیں۔

(جاری ہے)

تحریکِ جماعت اسلامی کا اصل تسلسل

کچھ عرصہ قبل ان صفحات میں ایک ایسے نوجوان کا خط شائع کیا گیا تھا جو اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان سے فعال طور پر وابستہ اور اس کے ایک اہم عہدیدار ہونے کے باوجود اقامتِ دین کی جدوجہد کے ضمن میں تنظیم اسلامی کے موقف اور منہج کو اقرب الی الصواب سمجھتے ہیں۔ ان کا نام اور پتہ ظاہر کرنا اس لئے مناسب نہ تھا کہ وہ ابھی وہیں "اصلاح احوال" کے لئے کوشاں ہیں۔

ذیل میں ایک ایسے نوجوان کا خط شائع کیا جا رہا ہے جو امریکہ میں جماعت اسلامی کے حلقہ احباب یعنی "اسلامک سرکل آف نارتھ امریکہ" (ICNA) سے منسلک تھے۔ لیکن پاکستان واپس آنے پر جب انہوں نے حالات کا مشاہدہ اور کسی قدر گہرائی میں مطالعہ کیا تو انہیں اس اصل تحریک اسلامی کا حقیقی تسلسل تنظیم اسلامی کی صورت میں نظر آیا جو مولانا مودودی مرحوم نے ۳۹-۱۹۳۸ء میں شروع کی تھی۔ ان کے نام اور پتے کی اشاعت میں اس بناء پر کوئی حرج نہیں ہے کہ اس اثناء میں انہوں نے تنظیم اسلامی میں باضابطہ شمولیت اختیار کر لی ہے۔

اس خط کی اشاعت کے دو ذیلی مقاصد بھی ہیں :

ایک اس حقیقت کی جانب اشارہ کہ مغربی دنیا بالخصوص امریکہ میں یہودی لابی جو واویلا کر رہی ہے کہ عالم اسلام کی مسلم فنڈامنٹلسٹ تحریکوں کو امریکہ کے نو آباد کار مسلمانوں کے ذریعے تقویت ہو رہی ہے' تو یہ بات بالکل بے بنیاد نہیں ہے۔ چنانچہ اس وقت اللہ کی اس سنت کا ایک بار پھر بھرپور طور پر ظہور ہو رہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش عین فرعون کے محل میں کرائی گئی تھی۔ حال ہی میں یہ "واویلا" ایک فلم کی صورت میں سامنے آیا ہے جو "امریکہ میں جہاد" کے عنوان سے پہلے امریکی ٹیلی ویژن پر دکھائی گئی اور اب ویڈیو کیسٹ کے ذریعے وسیع حلقے میں پھلائی جا رہی ہے۔ اس سے اگرچہ یہ اندیشہ تو موجود ہے کہ امریکہ میں آباد مسلمانوں کو فوری طور پر کچھ پریشانی کا سامنا ہو' لیکن ان شاء اللہ آخری نتیجہ "وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ" ہی کے مطابق برآمد ہو گا۔

دوسرے یہ کہ حال ہی میں جماعت اسلامی پاکستان سے جن حضرات نے محترم نعیم صدیقی صاحب کی قیادت میں علیحدگی اختیار کی ہے انہیں بھی اس حقیقت پر سنجیدگی سے

غور کرنا چاہئے کہ کیا تنظیم اسلامی کچھ معین جمع و تفریق کے ساتھ برعظیم پاک و ہند کی بیسویں صدی عیسوی کی اس اصل تحریک اسلامی کے تسلسل کی حیثیت نہیں رکھتی جس کا پہلا ظہور "حزب اللہ" کی صورت میں ہوا تھا اور دوسرا "جماعت اسلامی" کی صورت میں؟ اور اگر یہ بات صدفی صد قابل قبول نہ سہی، کسی بھی درجہ میں قابل غور نہ ہو تو کیا یہ مناسب نہیں کہ مذکورہ بالا متعین جمع و تفریق سمیت جملہ مابہ الاختلاف مسائل کی خلیج کو باہمی گفت و شنید اور ربط و ضبط کے ذریعے پاٹنے کی کوشش کی جائے۔

چنانچہ اسی جذبہ کے تحت تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع منعقدہ اکتوبر ۹۴ء میں اسلامی انقلاب کی داعی دیگر جماعتوں کے زعماء کے ساتھ ساتھ جناب نعیم صدیقی صاحب کو بھی دعوتِ خطاب دی گئی تھی جسے انہوں نے اپنے "روایتی" انداز میں رد کر دیا۔ لیکن ۔ "اک طرزِ تغافل ہے، سو وہ ان کو مبارک۔ اک عرضِ تمنا ہے، سو ہم کرتے رہیں گے!" کے مصداق اب دوبارہ ۱۱/ جنوری ۹۵ء کو منعقد ہونے والے اجلاس میں جناب علامہ طاہر القادری اور جناب سید عطاء المومن بخاری کے ساتھ نعیم صاحب سے بھی درخواست کی گئی کہ اولاً تو وہ خود زحمت فرمائیں لیکن اگر خود نہ تشریف لا سکیں تو اپنے کسی نمائندے کو بھیج دیں، مگر افسوس کہ ان کا "تأمل" بھی حسب سابق ہے اور "طرزِ انکار" بھی جوں کا توں!--- کاش کہ محترم نعیم صدیقی صاحب کے رفقاء و احباب میں سے کوئی انہیں اپنے طرزِ عمل پر نظرِ ثانی کرنے پر آمادہ کر سکے---ادارہ

محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب،
السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ،!

آپ سے غائبانہ تعارف بہت پرانا ہے۔ ٹی وی پروگرام "الہدیٰ" سے آپ سے جان پہچان ہوئی۔ پھر مختلف حوالوں اور راویوں سے آپ کی مصروفیات اور دینی کام کے بارے میں معلومات ملتی رہیں۔ ۱۹۸۴ء میں اعلیٰ تعلیم کی غرض سے میں امریکہ چلا گیا۔ وہاں شروع کے چند سال پڑھائی اور امریکہ کی چکاچوند میں انہماک میں گزر گئے۔ آپ سے رابطہ منقطع ہو گیا۔ حتیٰ کہ ۱۹۸۹ء کے اواخر میں ایک پاکستانی بھائی کی آواز نے جیسے جگا سا دیا۔ ان کے جمعہ کے خطبات اور بعد میں ان سے میل جول کے ذریعے اسلام کی حقیقی معنویت سمجھ میں آنا شروع ہوئی۔ ہمیں اپنے مسلمان ہونے اور پھر اس کے ناطے ذمہ داریوں کا احساس ہونا شروع ہوا۔ سید مودودیؒ، سید قطب شہیدؒ، حسن البناء شہیدؒ کے ناموں کے علاوہ ان کے

شاندار کارناموں سے متعارف ہوا۔ تفہیم القرآن کا از سر نو مطالعہ کیا۔ انہی پاکستانی بھائی کی کاوشوں سے وجود میں آنے والے درس قرآن اور "اسلامی حلقہ" میں باقاعدگی سے بیٹھنا شروع کیا۔ اللہ کا کرم اور اس کی رحمت تھی کہ ہمارے سینوں کو اسلام کے لئے کھول دیا۔ اب جو ہم نے اسلام کا مطالعہ کیا اور فرقہ بازیت اور اندھی تقلید سے اوپر آکر اسلام کا جو رنگ دیکھا تو وہ وہی تھا جس کی طرف قرآن میں "صِبْغَةَ اللّٰه" کے ذریعے اشارہ کیا گیا ہے۔ اسی مطالعہ کے دوران جہاد جیسی عظیم نعمت اور تحفہ کا ادراک حاصل ہوا۔ اسی جذبہ سے سرشار ہو کر اللہ سے لو لگا کر ۱۹۹۳ء میں بوسنیا کا قصد کیا۔ وہاں قتال کی نوبت تو نہ آسکی البتہ Croatia میں ایک سال رہ کر رفاہی کاموں (Relief work) میں دل کھول کر حصہ لیا۔ اس سفر کے لئے مجھے اپنی پڑھائی ادھوری چھوڑنی پڑی جس کا مجھے زیادہ قلق نہیں ہے۔ ۱۹۹۴ء میں پاکستان آیا تو خیال تھا کہ یہاں اپنی پڑھائی مکمل کر لوں گا۔ میں Metarllurgical Engineering میں B.Sc کر رہا تھا۔ بہرحال آخری سال سب کچھ چھوڑ چھاڑ پاکستان آگیا۔ یہاں آکر شروع میں تو پڑھائی جاری رکھنے کی کوشش کی مگر ہمارے ملک کے سال خوردہ قاعدے قانون اور خود غرضوں کی خود غرضیاں آڑے آ گئیں۔ کچھ مالی حالات نے اجازت نہ دی۔ پاکستان واپسی پر آپ کی "تنظیم اسلامی" سے تعارف ہوا۔ مجھے امریکہ میں رہتے ہوئے یہ قطعی معلوم نہ ہو سکا کہ آپ نے کوئی تنظیم بھی شروع کر رکھی ہے' البتہ اتنا ضرور یقین رہا کہ آپ یقیناً دین کی کسی نہ کسی طور پر خدمت ضرور انجام دے رہے ہوں گے۔ آپ کی "جماعت اسلامی" سے وابستگی کا بھی اسی (۱۹۹۴ء) سال علم ہوا۔ اسی حوالے سے تجسس پیدا ہوا کہ اگر آپ کا جماعت اسلامی سے تعلق رہا تھا تو وہ منقطع کیوں ہوا' دوسرے یہ کہ آپ نے الگ تنظیم بنانے کا کیوں ارادہ کیا۔ جون ۹۴ء میں لاہور کے قیام کے دوران باغ جناح میں آپ کا ایک خطبہ جمعہ بھی سنا۔ بے حد پسند آیا۔ وہیں پر مسجد کے باہر لگے اسٹال کے ذریعے آپ کی کئی کتابوں سے تعارف بھی ہوا۔ چونکہ میرے ذہن میں بہت سارے سوالات کلبلا رہے تھے لہٰذا آپ کی تنظیم سے باقاعدہ تعارف حاصل کرنے کا سوچا اور اس ضمن میں آپ کے مندرجہ ذیل کتابچوں کا مطالعہ کیا۔

۱۔ تنظیم اسلامی کی قرارداد تاسیس مع توضیحات
۲۔ " " کا تاریخی پس منظر
۳۔ تعارف تنظیم اسلامی ۴۔ تنظیم اسلامی کی دعوت

آپ کی تنظیم سے تعارف سے پہلے مولانا مودودیؒ کے ذریعے سے جماعت اسلامی سے تعارف حاصل تھا۔ مرحومؒ کی تفہیم القرآن کے علاوہ دیگر گرانقدر تصانیف سے بھی استفادہ کرچکا تھا۔ مدعا یہ ہے کہ جماعت اسلامی کا ڈھانچہ وخاکہ ذہن میں تھا۔ لہٰذا جب آپ کی مندرجہ بالا کتب کا مطالعہ کیا تو جو پہلا تاثر ذہن میں ابھرا وہ "جماعت اسلامی جونیئر" یا دوسرے الفاظ میں "Jamaat-e-Islami Part II" کا تھا۔ میں یہ الفاظ کسی غلط معنوں میں استعمال نہیں کر رہا ہوں بلکہ آپ دونوں کے نصب العین کے مشترک ہونے کی وجہ سے یہ خیال ذہن میں ابھرا۔ نصب العین مشترک ہونے کے باوجود طریقہ کار کا اختلاف مجھے آپ کی مندرجہ ذیل کتب کی طرف لے گیا۔

۱۔ جماعت اسلامی۔ ایک تحقیقی مطالعہ ۲۔ مولانا مودودیؒ اور میں
۳۔ جماعت اسلامی کی تاریخ کا تیسرا بڑا بحران اور اس کے نئے امیر قاضی حسین احمد

مندرجہ بالا کتب کے مطالعے سے ایک بات کا ادراک شرح صدر کے ساتھ ہوا کہ آپ وہی کام اور مقصد لے کر اٹھے ہیں جو قیام پاکستان سے پہلے مولانا مودودیؒ لے کر اٹھے تھے۔ اسی ادراک یا خیال کو تقویت پہنچانے کے لئے آپ کے کتابچوں "دینی فرائض کا جامع تصور، مطالباتِ دین، مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے تعلق کی بنیادیں، منہج انقلاب نبوی، راہ نجات : سورۃ والعصر کی روشنی میں" کا مطالعہ بھی کرچکا ہوں۔

لاہور میں قیام کے دوران قرآن اکیڈمی کا بھی علم ہوا۔ میں آج کل مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام قرآن کالج سے بذریعہ خط وکتابت عربی کا کورس بھی کر رہا ہوں۔

ان سب باتوں کا مقصد نہ نمود و نمائش ہے اور نہ ہی آپ کو خوش اور مرعوب کرنے کی کوئی کوشش بلکہ حالات کی صحیح عکاسی کر رہا ہوں تاکہ آپ کو کچھ اندازہ ہو سکے کہ

کس سوچ اور خیالات کا حامی شخص آپ سے مخاطب ہے۔

میرے دل میں مولانا مودودیؒ کی تحریک سے اسلام کے لئے جو تڑپ پیدا ہوئی ہے اس کو صحیح خطوط پر پروان چڑھانا مقصود ہے۔ پہلے جماعت اسلامی میں شمولیت اختیار کرنے کے بارے میں سوچا مگر پھر کچھ مزید مطالعہ کرنے کے بعد جماعت اسلامی پر شرح صدر نہ رہا۔ اسی چیز کو تقویت چند دوسرے احباب نے بھی پہنچائی۔ اور جس شے پر شرح صدر نہ ہو اس کو اختیار کرنے پر طبیعت متردد ہے۔

آپ کے خطبہ جمعہ میں اور شاید کسی کتابچے یا ماہنامہ میثاق میں یہ سننے اور پڑھنے میں آیا کہ آپ کے نزدیک ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی پوری کی پوری زندگی قرآن کی خدمت اور اس کے علم و فہم کی ترویج اور تبلیغ میں صرف کردیں۔ اپنے آپ کو قرآن سے پیوستہ کرلیں اور اسی کو زندگی کا مقصد بنالیں۔ آپ کی بات نہ صرف یہ کہ دل کو بھائی بلکہ محسوس ہوا کہ فی زمانہ ضرورت بھی اسی بات کی ہے کہ قرآن کی تعلیم کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے۔ میں بھی اپنی کم علمی، کم فہمی اور ایک عام سا مسلمان ہونے کے باوجود اس عظیم ترین کام میں شرکت کا متمنی ہوں۔

اللہ ہم سب کو صراط مستقیم پر چلنے اور اس پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

والسلام

احقر سلیم احمد خاں

سی-۲۰۲، خداداد کالونی، کراچی

ضرورت رشتہ

متوسط گھرانے سے تعلق رکھنے والے تنظیم اسلامی کے ایک رفیق کے لئے شریک حیات کی ضرورت ہے جو خود بھی بقدرِ استطاعت دین پر عامل ہو اور ایک داعیٔ دین کے فرائض میں اس کا ہاتھ بٹا سکے۔

رابطہ : عابد جاوید خان معرفت قرآن اکیڈمی،

DM-55 خیابان راحت۔ ڈیفنس فیز 6۔ کراچی

ضرورت رشتہ

متوسط خوشحال قریشی گھرانے کی لڑکی، عمر ۲۳ سال، ایم۔اے، دراز قد، پابند صوم و صلوٰۃ کے لئے موزوں رشتہ درکار ہے۔

خط و کتابت : پوسٹ بکس نمبر 9144، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور

KHALID TRADERS

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS NTN BEARINGS

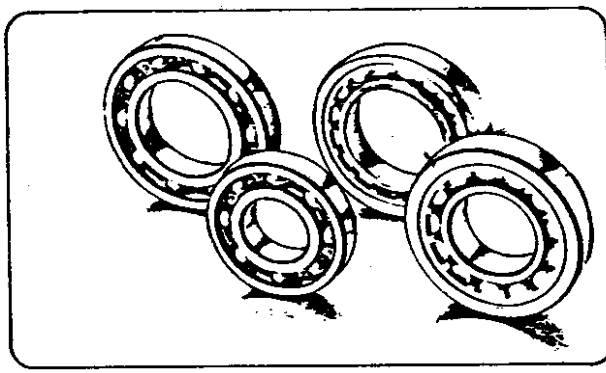

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 84 A-85, Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

آج پھر وہی حالات ہیں جن میں ملک دولخت ہوا تھا

تنظیم اسلامی کی مرکزی مجلس مشاورت کے اجلاس کے موقع پر جاری کیا گیا اعلامیہ

لاہور۔ ۳۰/ دسمبر: ۔امیر تنظیم ڈاکٹر اسرار احمد کی صدارت میں تنظیم اسلامی کی مرکزی مجلس مشاورت کا دو روزہ اجلاس جماعتی امور اور ملک کی سیاسی صورت حال کے جائزے کے بعد آج اختتام کو پہنچا جس میں قومی سیاسی منظر کو تشویشناک قرار دیا گیا ہے۔ سندھ اور بالخصوص کراچی کے حالات و واقعات کے حوالے سے مجلس کی رائے میں پاکستان ایک بار پھر اسی نازک موڑ تک جا پہنچا ہے جس پر ۱۹۷۱ء میں کھڑا تھا اور المناک سانحہ یہ ہے کہ حیرت انگیز مماثلت کے مشاہدے کے باوجود وہی غلطیاں پھر دوہرائی جا رہی ہیں جن کے نتیجے میں ملک دولخت ہوا تھا۔ اپنے ازلی دشمن بھارت کو ہم نے کھلا موقع دیا کہ یہاں بھی ہمارے باہمی نفاق سے اسی طرح فائدہ اٹھائے جیسے مشرقی پاکستان میں اٹھا چکا ہے اور کراچی میں بھارتی قونصل خانے کو بند کرنے کا فیصلہ کرنے میں بہت تاخیر کی گئی ہے۔ تنظیم اسلامی کی مرکزی مجلس مشاورت نے محسوس کیا کہ اگرچہ بظاہر حکومت اب ایم کیو ایم سے مذاکرات کا آغاز کر چکی ہے تاہم اندیشہ ہے کہ ایم کیو ایم کی دھڑے بندی سے فائدہ اٹھا کر معاملات کے تصفیہ کو ٹالا جائے گا اور کراچی میں آبادی کے اس طبقے کو کھلونے دے کر بہلانے کی کوشش ہوگی جو مہاجرین کے نام سے پہچانا جاتا ہے جبکہ اس کا فعال حصہ پوری بے باکی سے اپنے اس فیصلے کا اعلان کر رہا ہے کہ "اب یا پھر کبھی نہیں"۔ کراچی میں پاکستان سے علیحدگی کی باتیں اب عریاں الفاظ میں کی جانے لگی ہیں اور یہ شاید آخری موقع ہے کہ ایک علیحدہ صوبہ دے کر مہاجرین کو ملک سے کٹ جانے سے روک لیا جائے جبکہ غیر ضروری تاخیر شاید اس حل کو بھی اسی طرح غیر مؤثر بنا کر رکھ دے گی جیسے مشرقی پاکستان میں اذیت ناک علیحدگی کے سوا ہر حل غیر مؤثر ہو گیا تھا۔

تنظیم اسلامی کی مرکزی مجلس مشاورت نے محب وطن پاکستانیوں کو یاد دلایا کہ صوبوں کی نئی حد بندی اور ملک کو چھوٹے انتظامی یونٹوں میں تقسیم کرنے کی بات سب سے پہلے تنظیم اسلامی کے امیر ڈاکٹر اسرار احمد نے تحریک خلافت پاکستان کے پلیٹ فارم سے کی اور دلیل و برہان سے ثابت کیا تھا کہ ملک خداداد کے استحکام کی کلید تو اسلام کا واقعی اور حقیقی نفاذ یعنی نظام خلافت کا قیام ہے تاہم آبادی کے مختلف طبقات میں مسلسل بڑھتی چلی جانے والی منافرت کا فوری اور وقتی علاج اس کے سوا کوئی اور نہیں کہ سندھ ہی کو نہیں بلکہ چاروں صوبوں کو تقریباً ایک ایک کروڑ آبادی

پر مشتمل نئے صوبوں میں تقسیم کر دیا جائے اور اس تقسیم میں لسانی' تہذیبی اور علاقائی حوالوں کو بھی مناسب اہمیت دی جائے تاکہ اپنے معاملات کو سنبھالنے کا موقع حاصل کر کے لوگوں میں خود اعتمادی کے علاوہ وفاق اور دوسرے صوبوں سے تعاون اور اشتراک عمل کی ضرورت کا احساس بھی جڑ پکڑ سکے۔ ماضی میں اس تجویز پر مخالفانہ ردعمل کا اظہار ہوا تھا لیکن اب سوچنے سمجھنے والا ہر وہ سیاستدان اپنے اپنے الفاظ میں یہی بات کہنے پر مجبور ہو گیا ہے جس کی ترجیحات میں ملک کی جغرافیائی سالمیت کو اولیت حاصل ہے۔ بحالات موجودہ اس تجویز کی سب سے تیز و تند مخالفت پرانے سندھیوں کی طرف سے متوقع ہے اور پیپلزپارٹی کو اب اصل امتحان یہی درپیش ہے کہ بچے کھچے پاکستان کو نیو ورلڈ آرڈر کے مذموم منصوبوں کے تحت مزید شکست و ریخت سے بچانے میں کوئی مثبت کردار ادا کر سکتی ہے یا نہیں کیونکہ وہ سندھ کی حقیقی نمائندگی کی دعویدار ہے۔

تنظیم اسلامی کی مرکزی مجلس مشاورت نے شمالی علاقہ جات کے بعض حصوں میں "نفاذِ شریعتِ محمدی" کی تحریک کے مسلح بغاوت کی شکل اختیار کر لینے اور بعد کے واقعات پر بھی غور کیا اور اس رائے پر پہنچی کہ حالات کی یہ نازک صورت حکومت کی غلط حکمت عملی اور وعدوں کی مسلسل خلاف ورزی نے پیدا کی تھی اور اب بھی ذمہ داران حکومت مسئلہ کے حل میں سنجیدگی کا مظاہرہ نہیں کر رہے جس کے نتیجے میں یہ تحریک شرپسندوں کے ہاتھوں میں جا کر پہلے سے بڑے اتلافِ مال و جان کا باعث بن سکتی ہے لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ صوبائی اور مرکزی حکومتیں عقل کے ناخن لیں اور تحریک کے سنجیدہ اور مخلص قائدین کو اعتماد میں لے کر اصل مسائل کے قابل عمل اور قابل قبول حل پر اتفاق رائے کے بعد اس پر پوری دیانت داری سے عملدرآمد کا اہتمام کریں۔ مجلس مشاورت نے تحریک نفاذ شریعت محمدی سے بھی کہا ہے کہ حال ہی میں اپنے قیدیوں کی رہائی میں پُرامن مظاہرے اور دھرنا مار کر بیٹھنے کے ذریعے اس نے جو کامیابی حاصل کی ہے اسے مشعل راہ بنایا جائے اور آئندہ تعمیری مقاصد کے لئے منظم مزاحمت کے انہی پرامن طریقوں سے کام لیا جائے جس کی وکالت تنظیم اسلامی اپنی تاسیس کے اول روز سے کر رہی ہے۔ تحریک پر یہ بھی واضح کیا گیا کہ اس کا ہدف شریعت کا نفاذ نہیں بلکہ اسلامی نظام یا نظام خلافت کا قیام ہونا چاہئے۔ موجودہ باطل و فاسد نظام کو بدلے بغیر اسلامی شریعت کا نفاذ موثر ہو گا اور نہ اس سے مطلوبہ نتائج حاصل ہو سکیں گے کیونکہ کوئی شریعت تو نام ہی کسی مخصوص نظام کو کامیابی سے چلانے کے قواعد و ضوابط کے مجموعے کا ہوتی ہے۔ تنظیم اسلامی کی مجلس مشاورت نے محدود علاقے میں نفاذ شریعت کے مطالبے کو بھی حکمت کے خلاف قرار دیا اور تحریک نفاذ شریعت کو مشورہ دیا ہے کہ مطالبہ پورے ملک میں تبدیلی کا کیا جائے جو پاکستان کے تمام دینی حلقوں کی قوت کو ان کی پشت پر لا کر کھڑا کر سکتا ہے اور ایسی ہی کسی متفقہ و متحدہ تحریک مزاحمت کے ذریعے ملک کے حق میں کوئی خیر برآمد ہو گا۔ OO

رپورٹ تنظیم اسلامی' بیرون پاکستان

اگست تا نومبر ۹۴ء

برائے مجلس مشاورت منعقدہ ۲۸'۲۹ دسمبر ۹۴ء

مرتب : سراج الحق سید

ذیل کی رپورٹ تنظیم اسلامی کے اجلاس مشاورت منعقدہ ۲۸-۲۹ دسمبر ۹۴ء میں پیش کی گئی تھی۔ مشاورت کے اجلاس میں اندرون پاکستان اور بیرون پاکستان تنظیم کے تمام حلقوں کی مختصر رپورٹ کا پیش کیا جانا معمول کا حصہ ہے۔ امریکہ میں ہمارا تنظیمی حلقہ ایک عرصہ تعطل اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار رہنے کے بعد اب گزشتہ دو برس سے منظم ہوا ہے اور بالخصوص نیویارک میں کہ جہاں اب تک کوئی باقاعدہ تنظیمی حلقہ وجود میں نہیں آیا تھا' گزشتہ سال سے نہ صرف یہ کہ وہاں بحمد اللہ مقامی تنظیم کا قیام عمل میں آچکا ہے بلکہ ایک باقاعدہ دفتر بھی نیویارک شہر میں قائم ہوگیا ہے۔ ذیل کی رپورٹ اسی خیال سے ہدیہ قارئین کی جارہی ہے کہ تنظیم اسلامی بیرون پاکستان اور بالخصوص TINA یعنی تنظیم اسلامی نارتھ امریکہ کی تنظیمی سرگرمیاں ان کے علم میں آسکیں۔ (ادارہ)

1.0 تنظیم اسلامی بیرون پاکستان میں نارتھ امریکہ یعنی U.S.A اور کینیڈا اور یورپ میں انگلینڈ اور فرانس شامل ہیں۔

1.1 سب سے پہلے TINA یعنی تنظیم اسلامی نارتھ امریکہ کا ذکر۔ TINA کا ہیڈ کوارٹر شکاگو میں ہے۔ امیر TINA جناب عطاء الرحمٰن صاحب ہیں۔ TINA کی مختلف مقامی تنظیموں اور اسرہ جات سے ذاتی visit' teleconferences' فون اور فیکس کے ذریعہ رابطہ رکھتے ہیں۔ امیر محترم کے گزشتہ دورۂ امریکہ کے پروگرام کا انتظامی بوجھ تو مقامی تنظیم نیویارک' نیو جرسی کے امیر اور اس کے دیگر رفقاء پر تھا لیکن پروگرام کی location کا selection' ملک بھر کے رفقاء سے تربیت گاہوں

کے لئے رابطہ' اس میں شرکت کی ترغیب و تشویق' پورے پروگرام کے coordination کا تمام بوجھ امیرِ TINA کے کاندھوں پر پڑا تھا۔ اب پانچ ماہ کے مختصر عرصے کے بعد امیر محترم پھر رمضان المبارک میں انگریزی میں دورۂ ترجمۂ قرآن کے لئے امریکہ تشریف لے جا رہے ہیں۔ امید کے مطابق یہ پروگرام مسلم سینٹر آف نیویارک کی نئی عمارت میں تو نہ ہو سکے گا کیونکہ وہ عمارت تاحال تکمیل کو نہیں پہنچی لیکن Teaneck نیو جرسی کی مسجد نے دورۂ ترجمہ کے پروگرام کے لئے جگہ کی پیشکش کی ہے۔ یہ وہی مسجد ہے جس میں گزشتہ بار امیر محترم نے منتخب نصاب بہ زبان انگریزی ریکارڈ کروایا تھا۔ قوی امید ہے کہ امیر TINA کی guidance میں ان شاء اللہ نیویارک' نیو جرسی کی تنظیم دورۂ ترجمہ کے پروگرام کو بھی عمدگی سے پلان اور execute کرے گی۔ امیر TINA کی صحت کافی عرصے سے نرم گرم ہی چل رہی ہے۔ اپنے ذاتی job کا پریشر اور اس پر تنظیمی ذمہ داریاں پورا کرنا بڑی ہمت کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جلد از جلد صحتِ کاملہ عطا فرمائے کہ وہ اقامتِ دین کی جدوجہد میں اپنی پوری توانائیاں صرف کر سکیں۔

1.2 ٹورانٹو کے منفرد رفقاء کو علیحدہ کر کے اب TINA کے رفقاء کی کل تعداد ۱۰۵ ہے۔ TINA کے تحت امریکہ میں چار مقامی تنظیمیں' شکاگو' نیویارک / نیو جرسی' ڈیٹرائٹ اور ہوسٹن اور کینیڈا میں ایک مقامی تنظیم مانٹریال میں قائم ہے۔ مقامی تنظیموں کے علاوہ ۱۳ اسرہ جات ہیں جو TINA H.Q. کو ڈائریکٹ رپورٹ کرتے ہیں' اسی طرح U.S.A کے چار منفرد رفقا بھی TINA H.Q. کو رپورٹ کرتے ہیں۔ ٹورانٹو' کینیڈا کے رفقاء منفرد حیثیت سے تنظیم اسلامی بیرون پاکستان کے مرکز' لاہور کو ڈائریکٹ رپورٹ کرتے ہیں۔

1.3 الحمدللہ اب مرکزی مشاورت میں TINA کی شرکت بھی باقاعدہ ہوتی جا رہی ہے۔ ستمبر ۹۴ء کے اجلاس میں شکاگو تنظیم کے امیر جناب نصیرالدین محمود صاحب نے TINA کی نمائندگی کی تھی اور موجودہ اجلاس میں نیویارک' نیو جرسی کے بزرگ رفیق جناب ممنون احمد مرغوب صاحب جو رفقاء اور احباب میں

THE WISE ONE کے نام سے مشہور ہیں' شرکت کر رہے ہیں' تذکرۃً' ممتون صاحب FLUSHING نیویارک کے امرے کے نقیب بھی ہیں۔

2.0 TINA کی مقامی تنظیمیں :

2.1 سب سے بڑی تنظیم نیویارک/نیوجرسی ہے۔ اس تنظیم کے ضمن میں اس کے ناظم جناب تنویر عظمت کا ذکر خصوصیت سے کیا جانا مناسب ہے۔ اس کی دو وجوہ ہیں۔ ایک تو یہ کہ تنویر بحیثیت ناظم' مقامی تنظیم کے امیر کو extra-ordinary support مہیا کرتے ہیں۔ تنظیم کے امیر وقت کی کمی کے باعث امارت کی بعض ذمہ داریاں ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ اس کمی کو تنویر اپنی صلاحیتوں اور اپنا وقت لگا کر پورا کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ مقامی تنظیم کی نظامت کی ذمہ داریوں کے علاوہ' تنویر TINA کے مرکز کے لئے بھی ایک اہم ذمہ داری سنبھالے ہوئے ہیں۔ Manhattan' نیویارک میں ان کے دفتر میں عام ٹیلیفون' answering machine' فیکس' کمپیوٹر کے علاوہ ایک Toll free line 800-1 بھی موجود ہے جس پر امریکہ کے ہر حصے سے کتب و کیسٹس کے آرڈر receive کئے جاسکتے ہیں اور آرڈر کی ہوئی اشیاء وہاں سے ہی سپلائی کی جاتی ہیں۔ اس طرح نیویارک کا یہ دفتر TINA کی نشرواشاعت کا Focal Point بن گیا ہے۔ TINA H.Q. کی ایک اور ذمہ داری امیر محترم کے خطاب جمعہ کے پریس ریلیز کا انگریزی ترجمہ ہے جس کا بیڑہ تنویر نے خود اٹھایا ہے۔

2.2 رفقاء کی کل تعداد 54 ہے۔ اسرہ جات کی تعداد چھ ہے۔ ان کے نام یہ ہیں South Jersey' Markazi' Long Island' Flushing' Brooklyn اور Teaneck۔ اسرہ جات کے علاوہ 9 منفرد رفقاء ہیں جو ناظم تنظیم سے رابطہ رکھتے ہیں۔ اجتماعات باقاعدگی سے منعقد ہوتے ہیں۔ اجتماعات میں شرکت کے لحاظ سے 19 رفقاء کی حاضری سو فیصد' 8 کی 60% فیصد سے زائد' 6 کی 60% سے کم۔ بقایا نے رپورٹ پیریڈ میں کوئی شرکت نہیں کی۔ دعوتی کام کرنے کے لحاظ سے ناظم تنظیم نے جو grading کی ہے وہ اس طرح ہے۔ 4 Excellent' 16 Good'

None10 'Poor5 'Fair 14 'بقیہ 5 کے متعلق انہیں علم نہیں ہے۔

3.0 تنظیم اسلامی مانٹریال : رفقاء کی تعداد 6 ہے۔ اجتماعات میں 4 رفقاء کی حاضری 100% فیصد ہے۔ بقیہ 2 کی حاضری 60% ہے۔ دعوتی سرگرمیاں امیرِ مقامی کی assessment کے مطابق 75% ہیں۔

4.0 تنظیم اسلامی شکاگو : عرصہ زیر رپورٹ کے دوران ایک نیا رفیق شامل ہوا۔ اب رفقاء کی کل تعداد 18 ہے۔

5.0 تنظیم اسلامی ڈیٹرائٹ : یہ تنظیم اپنی سابقہ عمدہ تنظیمی حالت پر برقرار ہے لیکن رفقاء کی تعداد 6 ہی ہے اور اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔

6.0 تنظیم اسلامی ہوسٹن : یہ تنظیم 6 رفقاء پر مشتمل ہے۔ TINA مرکز سے باقاعدگی سے رابطہ نہیں ہے۔

7.0 TINA H.Q. کو رپورٹ کرنے والے اسرہ جات اور منفرد رفقا کی کیفیت مندرجہ ذیل ہے۔ اسرہ D.C.' 5 رفقاء۔ دعوتی سرگرمیاں 'کوئی رپورٹ نہیں آئی۔ اسرہ WEST TEXAS 3 رفقاء' صرف ڈاکٹر سعید اختر صاحب دعوتی کام کر رہے ہیں۔ اسرہ L.A. 3 رفقا' دعوتی کام نہیں ہو رہا ہے یا رپورٹ نہیں ہو رہا ہے۔ منفرد رفقا تعداد 4' دعوتی سرگرمیاں ٹھیک ٹھاک ہیں۔

8.0 منفرد رفقاء ٹورانٹو : جیسا کہ گذشتہ اجلاس میں اس مجلس کو خبر دی گئی تھی کہ امیر محترم نے تنظیم اسلامی ٹورانٹو توڑ دی ہے اور رفقاء کو مرکز پاکستان میں انفرادی طور پر رپورٹ کرنے کی ہدایت کی تھی۔ تاحال صرف 3 رفقاء (جن میں سے دو باپ بیٹا ہیں) نے رپورٹ کی ہے۔

دیگر رفقاء نے تاحال ہم سے کوئی رابطہ نہیں کیا ہے۔ ایک وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہم نے جس رفیق کو واسطہ بنایا تھا شاید انہوں نے باقی رفقاء تک ہمارا خط اور رپورٹ فارم ہی نہیں پہنچائے۔ دوبارہ رابطے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

9.0 پیرس فرانس : کل رفقاء 14 ہیں۔ ان میں دو "معتذر" رفقاء بھی شامل ہیں۔ دو معتذر رفقاء دو سال سے اجتماعات میں شریک نہیں ہوئے ہیں۔ الحمدللہ اب امیرِ

پیرس تنظیم جناب حاجی اشرف صاحب نے ماہانہ رپورٹ بھیجنا شروع کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ ہماری querries کا جواب بھی بذریعہ Fax بلا تاخیر روانہ کرتے ہیں۔

10.0 منفرد رفقاء انگلستان : رفقاء کی کل تعداد 14 ہے۔ لندن سے موصولہ اطلاع کے مطابق پچھلے چار ماہ میں رفقاء کی تعداد میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ ہم ابھی لندن میں کسی ایسے رفیق کی تلاش میں ہیں جو انتظامی صلاحیتیں رکھتا ہو اور تنظیم کے لئے وقت لگا سکتا ہو کہ ہم اسے نقیب مقرر کر دیں۔ بہرحال اب تک جو رابطہ بھی لندن کے رفقاء سے ہو رہا ہے وہ جناب ظہور الحسن بٹ صاحب کے ذریعہ ہے۔ انگلستان کے شمال میں ہمارے واحد رفیق نے اب رفاقت تنظیم اور رکنیت انجمن نیز معاونت تحریک کے فارم بھجوائے ہیں۔ باقی تمام رفقاء لندن based ہیں۔ لندن سے صرف 5 رفقاء نے رپورٹ بھیجنا شروع کی ہے لیکن اس میں ابھی باقاعدگی نہیں ہے۔

بقیہ : عرض احوال

ذیل میں ہم اس اداریے کی چند سطور بطور "مشتے از خروارے" ہدیہ قارئین کر رہے ہیں جو جولائی ۶۹ء کے شمارے میثاق میں شائع ہوا تھا' تاکہ انہیں اندازہ ہو کہ اس وقت کے حالات میں جب ہماری سیاسی قیادت اس رخ پر سوچنے کو بھی تیار نہیں تھی اور طاقت کے استعمال کی باتیں ہو رہی تھیں' اور ہمارے بہت سے صحافی بھی "محبت کے زمزمے بہہ رہے ہیں" کے راگ الاپ رہے تھے اور کنفیڈریشن کی بات کرنے والے پر "غدار" کا لیبل چسپاں کر دیا جاتا تھا' ایک مرد درویش کو اللہ نے اتنی بصیرت اور ہمت دی تھی کہ وہ نہ صرف حالات کا صحیح تجزیہ کر کے درست حل پیش کر سکے بلکہ کسی ملامت کو خاطر میں لائے بغیر اسے بیان بھی کر سکے ---- ان مختلف اور متنوع پیچیدگیوں کا ذکر کرنے کے بعد جن سے ملت اسلامیہ اس وقت دوچار تھی اور جن کا تذکرہ ۱۶ دسمبر ۹۴ء کی تقریر میں بھی تفصیل سے آیا ہے' محترم ڈاکٹر صاحب نے صورت حال کا حل ان الفاظ میں تحریر کیا :

> "..... اس اشکال اور الجھاؤ کا مستقل حل تو ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ دینی جذبات اور ملی احساسات کو مسلسل اجاگر کیا جاتا رہے اور اس جذبہ کے دوام اور تسلسل کا مستقل اور پائیدار بندوبست کیا جائے جو ایک دوسرے سے اتنے بعید اور باہم اس قدر مختلف خطوں کے ایک مملکت میں شامل ہونے کا سبب بنا تھا۔ تاہم فوری طور پر بعض دوسری چیزیں بھی پیش نظر رہنی چاہئیں۔

ایک یہ کہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے اس "سنجوگ" کا برقرار رہنا مشرقی پاکستان کے عوام کی آزاد مرضی پر ہی منحصر ہے اور اسے کسی طرح بھی ان پر ٹھونسا نہیں جا سکتا بلکہ اس معاملے میں جبر و تشدد کا ردعمل نہایت خوفناک ہو سکتا ہے۔

دوسرے یہ کہ اس "آزاد مرضی" کا انحصار بھی جتنا کچھ دینی جذبات اور ملی احساسات پر ہے اتنا ہی اس امر پر بھی ہے کہ نہ صرف یہ کہ وہ یہ محسوس کریں کہ ہمارے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں ہو رہی بلکہ مثبت طور پر انہیں یہ احساس بھی ہو کہ خود ان کا مفاد مغربی پاکستان کے ساتھ رہنے ہی سے وابستہ ہے اور مشرقی اور مغربی پاکستان دونوں ایک دوسرے سے پیوستہ رہ کر ہی دنیا میں ایک باعزت اور باوقار آزاد مملکت کی حیثیت سے زندہ رہ سکتے ہیں۔ مزید برآں یہ کہ اگر خدانخواستہ کبھی "علیحدگی" کی صورت پیدا ہوئی تو مغربی پاکستان کے لئے تو پھر بھی امکان غالب موجود ہے کہ وہ اپنی آزاد اور باوقار حیثیت کو برقرار رکھ سکے گا لیکن مشرقی پاکستان کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ ہو گا کہ کسی دوسری وسیع تر قومیت میں ضم اور کسی دوسری بڑی مملکت میں جذب ہو کر رہ جائے۔

ان دو امور کی روشنی میں جائزہ لیا جانا چاہئے کہ مشرقی پاکستان کے عوام کی مرضی دراصل ہے کیا؟..... اگر وہ واقعتاً مغربی پاکستان سے علیحدہ ہو کر ایک آزاد اور خود مختار حکومت قائم کرنے کے خواہش مند ہیں تو ظاہر ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت ان کی اس خواہش کے آڑے نہیں آ سکتی۔ بین الاقوامی علائق میں سب سے زیادہ مقدس رشتہ میاں اور بیوی کا ہوتا ہے لیکن اس میں بھی دین فطرت نے علیحدگی کی ایک سبیل رکھ دی ہے اور صاف ہدایت کی ہے کہ اگرچہ طلاق' حلال چیزوں میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسند ہے تاہم "معلق" رکھنے سے بہتر یہی ہے کہ علیحدگی اختیار کر لی جائے... بالکل اسی طرح اگر ہمارے مشرقی پاکستانی بھائی واقعتاً یہ محسوس کرتے ہوں کہ مغربی پاکستان کے ساتھ رہنے میں انہیں کوئی فائدہ نہیں بلکہ نقصان ہے تو ان کی بے اطمینانی کے سبب سے پورے ملک کی سیاسی و دستوری زندگی کو مسلسل "معطل" رکھنے سے بہتر یہ ہے کہ ان کی مرضی کو بروئے کار آنے کا موقع دے دیا جائے..."

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے اشاعت کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

خوشبودار کیمیکل

مختلف اقسام کے عطریات' اگر بتی' صابن وغیرہ
کی صنعتوں کے لئے عوامی جمہوریہ چین سے
خوشبو دار کیمیکل (پرفیومری' کیمیکل) درآمد
کرنے کے خواہش مند حضرات رابطہ کریں۔

ربی ٹریڈنگ کمپنی (پرائیویٹ) لمیٹڈ

پوسٹ بکس نمبر238' کراچی74200

نماز قائم کریں' اسی میں نجات اور سکون ہے۔

MONTHLY
Meesaq
LAHORE
REG No L. 7360
Vol. 44 No. 1
Jan. 1995

پاکستان کا سب سے زیادہ فروخت ہونے والا

قرشی

جوہر جوشاندہ

فلو، نزلہ، زکام اور گلے کی خراش کا مؤثر علاج

صدیوں سے آزمودہ جوشاندہ
اب فوری حل ہونے والے انسٹنٹ
جوہر جوشاندہ کی شکل میں۔
ترکیبِ استعمال: ایک کپ گرم
پانی یا چائے میں ایک پیکٹ
جوہر جوشاندہ ملائیں
اور جوشاندہ تیار۔
دن میں دو یا تین پیکٹ
جوہر جوشاندہ
استعمال کریں۔

تحقیق کی روایت
معیار کی ضمانت

قرشی

آسان استعمال
مؤثر علاج